عالمی مجلس تحفظ ختم نبوۃ کا ترجمان

ہفت روزہ

ختمِ نبوۃ

INTERNATIONAL URDU WEEKLY

KHATM-E-NUBUWWAT

KARACHI PAKISTAN

جلد: ۳۵ | ۲۵/ربیع الثانی تا یکم جمادی الاول ۱۴۲۷ھ مطابق ۲۵ تا ۳۱/مئی ۲۰۰۶ء | شمارہ: ۲۰

دینی مدارس اور علماء کا کردار

گیارہ قادیانیوں کا قبولِ اسلام

انبیاء علیہم السلام کا حقیقی کمال

سزائے ارتداد کا قانون

Email: editorkn@yahoo.com

Website: http//WWW.khatme-nubuwwat.org
http://WWW.khatme-nubuwwat.com

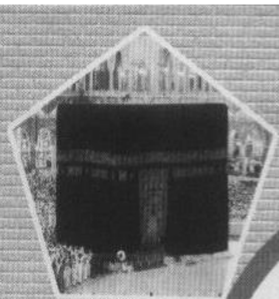

شہیدِ اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ

آپ کے مسائل

دین کی کسی بھی بات کا مذاق اڑانا کفر ہے، ایسا کرنے والا اپنے ایمان اور نکاح کی تجدید کرے:

س:...... کوئی شخص کفر کے الفاظ بولتا ہے، مثلاً روزہ وہ رکھے جو بھوکا ہو یا روزہ وہ رکھے جس کے گھر میں گندم نہ ہو، نماز میں اٹھک بیٹھک کون کرے یا اسی طرح کے اور کوئی کلمہ کفر بولے تو کیا اس کا ایمان ختم ہوجاتا ہے؟ اس کی نماز، روزہ، حج، صدقات اور زکوٰۃ ختم ہوجاتے ہیں؟ اور اس کا نکاح ٹوٹ جاتا ہے؟ اس کو اب کیا کرنا چاہئے؟ کیا نکاح دوبارہ پڑھائے؟ اور توبہ کس طرح کرے؟ اگر وہ توبہ نہیں کرتا ہے اور عورت کے ساتھ مباشرت کرتا ہے جبکہ بیوی کے ساتھ نکاح جاتا رہا، تو کیا وہ زنا کا مرتکب ہوتا ہے؟ اب وہ کس طرح پھر سے مسلمان ہوگا؟ براہ کرم تفصیل سے جواب دیں، نامعلوم کتنے شخص اس میں مبتلا ہیں؟

ج:...... دین کی کسی بات کا مذاق اڑانا کفر ہے، اس سے ایمان ساقط ہوجاتا ہے، ایسے شخص کو اپنے کلمات کفریہ سے توبہ کرکے اور کلمہ شہادت پڑھ کر اپنے ایمان کی تجدید کرنی چاہئے۔ نکاح بھی دوبارہ کیا جائے۔ اگر بغیر توبہ یا بغیر تجدید نکاح کے بیوی کے پاس جائے گا تو بدکاری کا گناہ دونوں کے ذمہ ہوگا۔

مفاد کیلئے خود کو غیر مسلم کہنے والا کافر ہوجاتا ہے:

س:...... رمضان المبارک میں چند ہوٹل دن میں روزے کے دوران بھی کھلے رہتے ہیں، اس کے علاوہ ہندوؤں کے مندروں اور عیسائیوں کے چرچ میں واقع ہوٹل اور کینٹین بھی دن کے اوقات میں کھلے رہتے ہیں، ان ہوٹلوں پر غیر مسلموں کے علاوہ مسلمان روزہ خوروں کی ایک بڑی تعداد کھانا وغیرہ چھپ کر کھاتی ہے، اگر کبھی روزے کے دوران ان میں سے کسی ہوٹل پر پولیس کا چھاپہ پڑ جائے تو مسلمان روزہ خور پکڑے جاتے ہیں جو سزا کے خوف سے پولیس کے سامنے یہ اقرار کرلیتے ہیں کہ ہم مسلمان نہیں ہیں، بلکہ ہندو یا عیسائی ہیں، روزہ خوروں کا یہ زبانی اقرار سن کر پولیس انہیں چھوڑ دیتی ہے۔ اس کے علاوہ ایک شخص کی بینک میں کافی رقم جمع ہے، جب حکومت کی طرف سے بینک اس رقم میں سے زکوٰۃ کی رقم منہا کرنا چاہتا ہے تو وہ شخص مسلمان ہوتے ہوئے محض زکوٰۃ کی رقم کو منہا ہونے سے بچانے کے لئے بینک کو تحریری طور پر یہ اقرارنامہ دے دیتا ہے کہ میں غیر مسلم ہوں۔ مہربانی فرماکر یہ بتائیے کہ اس طرح اگر کوئی مسلمان تحریری یا زبانی طور پر خود کے غیر مسلم ہونے کا اقرار کرے تو اس کے ایمان کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے؟

ج:...... یہ کہنے سے کہ: ”میں مسلمان نہیں ہوں“ آدمی دین سے خارج ہوجاتا ہے، مسلمان نہیں رہتا۔ ایسے لوگوں کو اپنے ایمان اور نکاح کی تجدید کرنی چاہئے اور آئندہ کے لئے اس مذموم حرکت سے توبہ کرنی چاہئے۔ روزہ چھوڑنے کے دوسرے عذر بھی تو ہوسکتے ہیں، کسی کو جھوٹ ہی بولنا ہوتا اسے کوئی اور عذر پیش کرنا چاہئے، اپنے کو غیر مسلم کہنا حماقت ہے۔

کیا گستاخِ رسول کو حرامی کہہ سکتے ہیں؟

س:...... بعض لوگ سورۂ قلم کی آیت ۱۳ (زنیم) سے استدلال کرکے گستاخِ رسول کو حرامی کہتے ہیں، کیا یہ درست ہے؟

ج:...... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یا کسی بھی رسول کی گستاخی کرنا بدترین کفر ہے (نعوذ باللہ) مگر قرآن کریم میں اس آیت کریمہ میں جس شخص کو ”زنیم“ کہا گیا ہے، اس کو گستاخئ رسول کی وجہ سے ”زنیم“ نہیں کہا گیا، بلکہ یہ ایک واقعہ کا بیان ہے کہ وہ شخص واقعتاً ایسا ہی بدنام اور مشکوک نسب کا تھا۔ اس لئے اس آیت کریمہ سے اصول نہیں نکالا جاسکتا کہ جو شخص گستاخئ رسول کے کفر کا ارتکاب کرے اس کو ”حرامی“ کہہ سکتے ہیں۔

ہفت روزہ ختمِ نبوۃ

جلد:۲۵ شمارہ:۲۰ ۲۵/ربیع الثانی تا یکم جمادی الاول ۱۴۲۷ھ مطابق ۲۴تا۳۱/مئی ۲۰۰۶ء

بیاد

امیرِ شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ
خطیبِ پاکستان قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ
مجاہدِ اسلام حضرت مولانا محمد علی جالندھریؒ
مناظرِ اسلام حضرت مولانا لال حسین اخترؒ
محدث العصر مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ
فاتحِ قادیان حضرت اقدس مولانا محمد حیاتؒ
مجاہدِ ختم نبوت حضرت مولانا تاج محمودؒ
حضرت مولانا محمد شریف جالندھریؒ
جانشین حضرت بنوری حضرت مولانا مفتی احمد الرحمٰنؒ
شہیدِ اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ
مبلغِ اسلام حضرت مولانا عبدالرحیم اشعرؒ
شہیدِ ختم نبوت حضرت مفتی محمد جمیل خانؒ

سرپرست

حضرت مولانا خواجہ خان محمد صاحب دامت برکاتہم
حضرت مولانا سید نفیس الحسینی صاحب دامت برکاتہم

مدیر اعلیٰ
مولانا عزیز الرحمٰن جالندھری

نائب مدیر اعلیٰ
مولانا محمد اکرم طوفانی

مدیر
مولانا اللہ وسایا

مجلس ادارت

- مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر
- مولانا سعید احمد جلالپوری
- علامہ احمد میاں حمادی
- صاحبزادہ مولانا عزیز احمد
- صاحبزادہ طارق محمود
- مولانا بشیر احمد
- مولانا محمد اسمٰعیل شجاع آبادی
- مولانا قاضی احسان احمد

سرکولیشن منیجر: محمد انور رانا
کمپوزنگ: محمد فیصل عرفان
قانونی مشیر: حشمت علی حبیب ایڈووکیٹ، منظور احمد میو ایڈووکیٹ

اس شمارے میں

سزائے ارتداد کا قانون	اداریہ	۴
گیارہ قادیانیوں کو قبول اسلام	مولانا محمد علی صدیقی	۶
انبیاء علیہم السلام کا حقیقی کمال	مولانا اخلاق حسین قاسمی	۷
غیبت کی حقیقت	عبدالسبحان	۱۳
دینی مدارس اور علماء کرام کا کردار	مولانا سعید احمد جلال پوری	۱۵
اصلاح ظاہر و باطن کا اصل مقصود ہے	حضرت مولانا اشرف علی تھانوی	۲۲
تحریکی ڈائری	مولانا محمد نذر عثمانی	۲۶

زرتعاون بیرون ملک: امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا: ۹۰ ڈالر۔
یورپ، افریقہ: ۷۰ ڈال۔ سعودی عرب، متحدہ عرب امارات،
بھارت، مشرقِ وسطیٰ، ایشیائی ممالک: ۶۰ امریکی ڈالر
زرتعاون اندرونِ ملک: فی شمارہ: ۷ روپے۔ ششماہی: ۱۷۵ روپے۔ سالانہ: ۳۵۰ روپے
چیک۔ ڈرافٹ بنام ہفت روزہ ختم نبوت۔ اکاؤنٹ نمبر 8-363 اور
اکاؤنٹ نمبر 2-927 الائیڈ بینک بنوری ٹاؤن برانچ کراچی پاکستان ارسال کریں

رابطہ دفتر: جامع مسجد باب الرحمت (ٹرسٹ)
ایم اے جناح روڈ کراچی۔ فون: ۲۷۸۰۳۳۷ فیکس: ۲۷۸۰۳۴۰
Jama Masjid Bab-ur-Rehmat(Trust)
Old Numaish M.A.Jinnah Road.Karachi.
Ph: 2780337 Fax: 2780340

مرکزی دفتر: حضوری باغ روڈ، ملتان
فون: ۴۵۱۴۱۲۲-۴۵۸۳۴۸۶ فیکس: ۴۵۴۲۲۷۷
Hazori Bagh Road, Multan
Ph: 4583486-4514122 Fax: 4542277

لندن آفس:
35,Stockwell Green,
London, SW9 9HZ U.k.
Ph: 0207-737-8199

اداریہ

مولانا سعید احمد جلال پوری

سزائے ارتداد کا قانون

متحدہ مجلس عمل کا قابل فخر اقدام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ!

قرآن وسنت‘ دین وشریعت کی روشنی میں جو شخص اسلام کو چھوڑ کر کوئی دوسرا دین ومذہب اختیار کرلے‘ وہ مرتد ہے اور مرتد کی سزا قرآن وسنت‘ اجماع اور فقہائے امت کے ہاں یہ ہے کہ اگر مرتد ہونے والی عورت ہو تو اس کو گرفتار کرکے اس کو سمجھایا جائے‘ اگر اس کے کوئی اشکالات ہوں تو رفع کئے جائیں اور اُسے دوبارہ اسلام قبول کرنے کی دعوت دی جائے‘ قبول کرلے تو فبہا‘ ورنہ اسے زندگی بھر جیل میں مقید رکھا جائے۔

اگر مرتد ہونے والا کوئی مرد ہو تو اسے گرفتار کرکے تین دن تک اس کی فہمائش کی جائے‘ اگر اس کے کوئی اشکالات ہوں تو رفع کئے جائیں اور دوبارہ اسلام قبول کرنے کی دعوت دی جائے‘ مان جائے تو فبہا‘ ورنہ اسے قتل کردیا جائے‘ اس پر ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے‘ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی متواتر احادیث‘ حضرات صحابہ کرامؓ کا اجماع اور پوری امت کا تعامل بھی اس کی نشاندہی کرتا ہے‘ جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے:

”من ارتد فاقتلوہ“

ترجمہ:......”جو مرتد ہوجائے اس کو قتل کردو۔“

اس لئے مسلمانانِ پاکستان اور خصوصاً عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کا روزِ اوّل سے یہ مطالبہ تھا کہ پاکستان میں سزائے ارتداد کا قانون نافذ کرکے قادیانی دجل وفریب کاری اور اس کی ارتدادی تحریک کا سدِ باب کیا جائے‘ مگر نامعلوم کن وجوہات اور مجبوریوں کے پیش نظر ہمارے اربابِ اقتدار آج تک مسلمانوں کے اس معقول مطالبہ اور شرعی قانون کی تنفیذ سے پہلوتہی کرتے رہے ہیں؟

حالانکہ دیکھا جائے تو یہ قانون سراسر قانونِ فطرت ہے‘ اور اس کے نفاذ سے جہاں مسلمانوں کا دین وایمان محفوظ رہے گا‘ وہاں اسلامی مملکت کی نظریاتی سرحدیں بھی محفوظ ہوں گی‘ اور ایسے بدباطن جو مختلف انداز میں اسلامی مملکت کی بنیادوں کو کھوکھلا کرنے اور مسلمانوں کے روپ میں مسلمانوں میں ہیجان برپا کرنے کے مرتکب ہوتے ہیں‘ ان کا اس قانون کے نفاذ سے قلع قمع ہوجائے گا۔

بہرحال اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے مجلس عمل کے کارپردازوں کو! جنہوں نے حالات کی نزاکت کا احساس کرتے ہوئے اس قانون کی اہمیت و ضرورت کو محسوس کیا اور مرتد کی سزا کے قانون کا مسودہ تیار کر کے ایک بل کی شکل میں قومی اسمبلی میں پیش کیا ہے۔

روزنامہ امت کراچی کے نمائندہ خصوصی کی رپورٹ کی روشنی میں اس کی تفصیلات کچھ یوں ہیں:

''اسلام آباد (نمائندہ خصوصی) متحدہ مجلس عمل کے ارکان قومی اسمبلی نے ملک میں مرتد کی سزا وضع کرنے کے لئے مسودۂ قانون جمع کرادیا ہے۔ یہ بل بدھ کو مجلس عمل کے ڈپٹی سیکریٹری جنرل لیاقت بلوچ نے قومی اسمبلی سیکریٹریٹ میں جمع کرایا۔ اس بل کو ''قانونِ ارتداد ۲۰۰۶ء'' کا نام دیا گیا ہے۔ بل کے مطابق جو فرد دین اسلام چھوڑ کر کوئی اور مذہب اختیار کرے گا' اسے اسلامی شریعت کے مطابق سزائے موت دی جائے گی' تاہم ایسے فرد کو اسلام کی طرف رجوع اور توبہ کی تلقین بھی کی جائے گی اور اس مقصد کے لئے مناسب وقت دیا جائے گا' تاہم اپنے جرم پر اصرار یا جرم ارتداد کی بار بار تکرار پر مجرم کو حسب قانون سزا دی جائے گی۔ پیش کردہ مسودۂ قانون میں مرتد کی جائیداد کے انتظام' اس کی اولاد کی ولایت اور اس کی بیوی کی عدت کے حوالے سے تفصیلی احکام وضع کئے گئے ہیں۔ مجلس عمل کے ذرائع کے مطابق افغانستان میں ایک شخص کے ارتداد اور سرکاری سرپرستی میں اسے بیرون ملک بھیج دینے کے واقعہ نے اہلِ پاکستان کو شدید متاثر کیا ہے' اس حوالے سے اشد ضروری ہے کہ بروقت قانون سازی کی جائے۔ بل کے اغراض و مقاصد کے مطابق مسلمانانِ پاکستان کے ایمان کی حفاظت مملکت کی ذمہ داری ہے' لہٰذا اس قانون کا وضع کیا جانا ضروری ہے۔ بل پر لیاقت بلوچ کے علاوہ قاضی حسین احمد' مولانا فضل الرحمٰن' مولانا عبدالمالک' اسد اللہ بھٹو' ڈاکٹر فرید احمد پراچہ' صاحبزادہ ابوالخیر محمد زبیر سمیت ۳۲ ارکان اسمبلی نے دستخط کئے ہیں۔ (روزنامہ ''امت'' کراچی' مورخہ ۱۴/مئی ۲۰۰۶ء)

بلاشبہ اسلامی ممالک اور خصوصاً غریب ممالک میں عیسائی اور دوسری لادین مشنریوں کے اثر و نفوذ' خصوصاً پڑوسی ملک افغانستان میں مرتد ہو جانے والے ایک شخص اور پوری دنیائے کفر کی جانب سے اس کی حمایت' تائید' سرپرستی اور مسلمانوں کو اسلام سے برگشتہ کرنے کی خصوصی مہم میں امریکا اور اس کے حواریوں کے بھیانک کردار کے سدباب کے لئے ضروری تھا کہ اس قانون کی تنفیذ سے مسلمانوں کے دین و ایمان کا تحفظ کیا جائے۔

بہرحال متحدہ مجلس عمل کے ارکان نے اس موقع پر ذمہ داری کا احساس کرتے ہوئے بروقت قدم اٹھا کر اپنا فرض ادا کر دیا ہے۔ اب آگے قومی اسمبلی کے مسلمان ارکان پر منحصر ہے کہ وہ کس حد تک اپنی ذمہ داری کا احساس کرتے ہیں؟

ضروری اعلان

جلد کی تبدیلی کے بعد ہفت روزہ ''ختم نبوت'' کے اندرون و بیرون ملک کے تمام قارئین کے نام بقایا جات کی ادائیگی کے سلسلے میں یاددہانی کے خطوط ارسال کئے جاچکے ہیں۔ جن حضرات کے نام بقایا جات واجب الادا ہیں وہ فوراً اپنی رقم بنام ہفت روزہ ''ختم نبوت'' کراچی بذریعہ منی آرڈر' چیک یا ڈرافٹ ارسال فرما کر ممنون فرمائیں۔

نوٹ : خط و کتابت کرتے وقت اپنے خریداری نمبر کی وضاحت ضرور فرمائیں۔ (ادارہ)

مولانا محمد علی صدیقی

گیارہ قادیانیوں کا قبول اسلام

۲۴/اپریل۲۰۰۶ءکادن میرپورخاص کی تاریخ کا اہم دن ہے‘ جب گیارہ افراد نے قادیانیت سے تائب ہوکر عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت میرپورخاص کے ناظم اعلیٰ مولانا حفظ الرحمٰن فیض اور مجلس تحفظ ختم نبوت کے مبلغ مولانا محمد علی صدیقی کے ہاتھ پر اسلام قبول کرلیا۔ ۲۴/اپریل ۲۰۰۶ءکومغرب کی نماز کے بعد مدینہ مسجد شاہی بازار کے خطیب مولانا حفظ الرحمٰن فیض نے جب ان کے قبول اسلام کا اعلان کیا تو پوری مسجد اللہ اکبراور ختم نبوت زندہ باد کے نعروں سے گونج اٹھی‘ نمازی حضرات ایک گھنٹہ تک نومسلموں کومبارک دیتے رہے‘بہت سے باریش مسلمان خوشی کے جذبات سے مغلوب ہوکراشکبار تھے۔نومسلم عزیز اللہ پنہور نے بتایا کہ میرابڑا بھائی دماغی ٹیومر کا مریض تھا‘میں اس کے علاج کے لئے پریشان تھا‘ اسی اثنا میں قادیانی مربی مسعود چانڈیو مجھے ملا اور کہا کہ ڈاکٹرعبدالمنان اس کا علاج فری کرے گا۔وہ مجھے ڈاکٹر عبدالمنان کے پاس لے گیا‘اس نے چیک اپ کیااور کہا کہ یہ مرض تو بہت سیریس ہے‘علاج کیلئے لاکھوں روپے خرچ ہونگے‘اس کا علاج جرمنی میں ہوگا‘میں نے کہا کہ میں غریب آدمی ہوں‘علاج کیلئے جرمنی نہیں جاسکتا‘اس پرڈاکٹرعبدالمنان اور مسعود چانڈیو قادیانی نے کہا کہ آپ اور آپ کا بھائی قادیانی جماعت کا فارم پُر کردیں‘ہم اس کا علاج اپنی جماعت کی طرف سے کرائیں گے‘میں اس لالچ کی بناپرقادیانی بن گیا۔علاج تو ان لوگوں نے کیا کرنا تھا‘ یہ لوگ ہمارے ہی خرچ پر ہمیں کراچی کے مختلف ہسپتالوں میں گھماتے رہے اور بالآخر تنگ آکر میرے بھائی نے خودکشی کرلی۔قادیانی ڈاکٹرعبدالمنان نے میری ایک بیٹی کی شادی ایک قادیانی سے کرادی‘اس نے ہمیں جس طرح تنگ کیا اس کی مثال نہیں ملتی‘بالآخر اس نے میری بیٹی کوطلاق دیدی۔قادیانیوں نے بیعت فارم پُر کرکے قادیانی بنایا تھا‘میری بیٹی کی شادی قادیانی سے کرائی‘لیکن نہ ہمیں بیعت فارم دیااور نہ ہی نکاح فارم دیا۔ قادیانی کوئی امداد نہیں کرتے‘بلکہ وہ ہم سے دو ہزار روپے ہر ماہ قادیانی جماعت کے لئے چندہ وصول کرتے تھے۔ ہم نے دیکھا کہ قادیانی‘نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ماننے کا دعویٰ کرتے ہیں‘لیکن ان میں زکوٰۃ دینے کا رواج نہیں‘ میں نے ان کی محفلوں میں حج کا تذکرہ تک نہیں سنا‘کسی قادیانی مربی نے نہیں بتایا کہ حج فرض ہے‘میں نے کتابوں میں پڑھا ہے کہ مکہ کے کافروں نے ایک عرصہ تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کومکہ نہیں آنے دیا‘لیکن مسلمان حج کے لئے اور بیت اللہ کو دیکھنے کے لئے تڑپتے تھے‘لیکن قادیانی ربوہ‘ قادیان اور برطانیہ کا تذکرہ کرتے تھے‘لیکن مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کا تذکرہ نہیں کرتے تھے‘میرا تعلق پنہور برادری سے ہے‘قادیانی بن جانے کے بعد پوری برادری نے میرا بائیکاٹ کردیا اور گاؤں سے نکال دیا‘میں قادیانی تو ہوگیا لیکن میرا چین وسکون ختم ہوگیا‘ برادری کے دو اشخاص ماسٹر محمد رحیم بخش پنہور اور عبدالجبار پنہور نے محنت جاری رکھی اور ہمیں اسلام کی طرف لانے میں سب سے زیادہ کردار ان حضرات کا ہے‘محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہم ایک بار پھر اسلام کے سایہ میں آگئے ہیں اور ہمارا چین و سکون لوٹ آیا ہے۔

اس واقعہ سے قادیانیوں کے فلاحی کام کا پردہ چاک ہوگیا‘اب بھی کوئی ان کے فلاحی کام سے ان کے دھوکے میں آئے تو یہ اس کی اپنی حماقت ہوگی۔عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے حضرات تو شروع دن سے ہی یہ بات کہتے چلے آرہے ہیں کہ قادیانی اور عیسائی فلاحی کام کرکے دراصل اپنے مذہب کی تبلیغ کرتے ہیں‘ ہماری معلومات کے مطابق آج کل قادیانیوں اور عیسائیوں نے مسلمانوں کو تبلیغ کرنا کم کردی ہے اور تھرپارکر میں ہوسٹل بناکر غیر مسلم کولہی‘ بھیل اور میگھواڑ قوم کے بچوں کو تعلیم کے بہانے عیسائیت اور قادیانیت کی تبلیغ کرتے ہیں‘ بڑے بوڑھوں سے انہیں کوئی سروکار نہیں‘ ہم نے ایسے لوگوں کو دیکھا جو اپنے آپ کو کولہی احمدی‘ کولہی عیسائی کہتے ہوئے نظر آتے ہیں‘لیکن قادیانی اور عیسائی ان کے بچوں پر محنت کررہے ہیں کہ جب وہ بڑے ہوں گے تو ان کے دماغوں میں قادیانیت اور عیسائیت رچ بس چکی ہوگی‘ تھرپارکر کے ایک ہندو گھرانے کے ایک بچے نے اپنے گھرانے سمیت عیسائیت قبول کی‘عیسائی این.جی.اوز نے اس کو امریکا میں ڈاکٹری کی تعلیم دلائی اور پھر تھرپارکر کے ایک ہسپتال میں اس کو سرکاری طور پر سرجن لگوایا‘ کچھ عرصہ بعد وہ اپنے پرانے مذہب پر لوٹ آیا‘عیسائی این.جی. اوز نے ہاتھ پاؤں مارنے شروع کئے تو اس نے کہا کہ میں اور میرا گھرانا نہ پہلے عیسائی ہوا اور نہ اب‘میں نے یہ سب ڈرامہ اس جگہ تک پہنچنے کیلئے رچایا تھا‘عزیز اللہ پنہور کا بیٹا کامران بھی اسی طرح مٹھی کے ایک سرکاری اسکول میں تعلیم حاصل کررہا تھا‘ اور رہتا قادیانیوں کے ہوسٹل واقع مٹھی میں تھا۔اب دیکھنا یہ ہے کہ ہماری حکومت اس سازش کی روک تھام کے لئے کیا کوششیں کرتی ہے۔

انبیأ علیہم السلام کا حقیقی کمال

مولانا اخلاق حسین قاسمی

جائے کہ شیر مرداں درمعرض عتاب اند
روباہ سیرتا نرا آنجاچہ تاب باشد

انبیأ علیہم السلام کی خصوصیات کو قرآن حکیم جس خوبی سے بیان کرتا ہے' وہ خدا کے اس مقدس کلام ہی کا حق ہے۔ یہ خدا تعالیٰ کا مقدس کلام' وہ خدا کے مقبول بندے! اس سے زیادہ نہ انہیں کوئی سمجھ سکتا ہے' اور نہ سمجھنے کا دعویٰ کرسکتا ہے' یہی سبب ہے کہ دنیا نے جب کبھی خدا کے کلام سے ہٹ کر اپنے ان ہادیوں اور پیشواؤں کو سمجھنے کی کوشش کی تو وہ جذبات عقیدت کی رو میں بہہ گئے' فکر صحیح سے بھی محروم ہوئے اور عمل واخلاق کی بہترین زندگی بھی انہیں میسر نہ ہوسکی۔

مندرجہ ذیل سطور میں حضرات انبیأ کرام علیہم السلام کی سیرت کا ایک خاص پہلو پیش کیا گیا ہے' وہ پہلو جسے قرآن حکیم نے خاص طور پر جگہ جگہ نمایاں کیا ہے اور اس سے نوع انسانی کو ہدایت کا ایک گراں قدر سبق دیا ہے۔ وہ پہلو ہے عبدیت و بندگی اور عجز و نیاز' انبیأ کرام علیہم السلام ہر آن اور ہر لحہ اپنے مالک حقیقی کی طاقت پر نظر رکھتے ہیں' اس کی طاقت کو اصل طاقت سمجھتے ہیں' اسی پر بھروسا رکھتے ہیں' اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ پیغمبران کرام علیہم السلام کے پاس کسی قسم کی طاقت نہیں ہوتی' ان کے پاس خدا کی عطا کردہ طاقت کے غیر فانی خزانے ہوتے ہیں' ایسے خزانے نہیں جن کا خود پیغمبر کو علم نہ ہوتا ہو' بلکہ ایسے خزانے جن کا یقین ومشاہدہ پیغمبر کو بھی ہوتا ہے اور ان لوگوں کو بھی جو پیغمبر کو ایمان و بصیرت کی آنکھوں سے دیکھ لیتے ہیں۔

طاقت کی تفسیر یہ ہے کہ انبیأ علیہم السلام کو یقین کامل ہوتا ہے کہ وہ خدا کی بارگاہ میں مقبول ومنصور ہیں' اس لئے کائنات کی ساری قوتوں کا ان کے اشارے پر حرکت میں آنا یقینی ہے' خدا کے وعدوں پر انہیں کسی قسم کا شک وشبہ نہیں ہوتا' انہیں اپنے ہادی اور مہدی ہونے کا بھی یقین ہوتا ہے اور ہر قسم کی کمزوریوں سے محفوظ اور معصوم ہونے کا بھی' لیکن ان سب باتوں کے باوجود بھی وہ اپنے آپ کو ایک عاجز بندے کی طرح پیش کرتے ہیں' ان میں ایک محتاج بندے کی طرح بے قراری اور بے چینی پائی جاتی ہے' وہ ہر وقت خدا کے خوف کے احساس میں غوطہ زن رہتے ہیں۔ اس احساس و مزاج کی چند مثالیں قرآن کریم سے پیش کی جاتی ہیں:

پہلی مثال:

حضرت شعیب علیہ السلام نے جب مدین والوں کو حق کی دعوت دی تو مدین کے بڑے آدمیوں نے حضرت شعیب علیہ السلام کی دعوت ٹھکرادی اور کہا:

''ہم تجھے اور تیرے ساتھیوں کو
بستی سے باہر کردیں گے' یا یہ ہو کہ تم لوگ
اپنے آبائی دین میں واپس لوٹ آؤ۔''

ملک بدر کرنے یا کفر اختیار کرنے کی دھمکی سن کر حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا:

''اگر ہم تمہاری دھمکی میں آکر
دین حق چھوڑ دیں اور پھر کفر اختیار کرلیں
تو اس صورت میں ہم خدا تعالیٰ پر جھوٹ کا
بہتان باندھنے والے قرار پائیں گے۔''

نیز فرمایا:

''اور ہمارا کام نہیں کہ پھر آئیں
اس میں مگر کبھی اللہ چاہے رب ہمارا۔''
(سورۂ اعراف)

یعنی ہمارے لئے نہ یہ بات ممکن ہے اور نہ ہمیں یہ بات لائق ہے کہ ہم ہدایت پر آنے کے بعد پھر گمراہی میں مبتلا ہوجائیں' البتہ اگر خدا تعالیٰ ہی کی مشیت یہ ہو تو اور بات ہے۔

ایک پیغمبر کے لئے ناممکن ہے کہ وہ کفر اختیار کرے' جب منصب نبوت پر فائز ہونے سے پہلے ایک نبی کفر و شرک سے پاک رہتا ہے تو منصب نبوت پر فائز ہوجانے کے بعد وہ کیسے اس تاریکی کی طرف لوٹ جاتا؟

پس اس جملے کے استعمال کی یہی توجیہ ہوسکتی ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام کے دل میں خدا کی عظمت و بے نیازی اور اس کے مقابلے میں اپنی عبدیت و نیاز مندی کا زبردست احساس موجود تھا' ایسا احساس جس کی مثال انبیاؑ کے سوا دوسری جگہ ملنی ناممکن ہے' اس جملے سے حضرت شعیب علیہ السلام کا مطلب یہ تھا کہ میں پیغمبر ہوں' میرے لئے ممکن نہیں کہ میں کفر اختیار کروں' لیکن اتنا بڑا دعویٰ میں اپنی طاقت کے بل بوتے پر نہیں' خدا کے بھروسے پر کر رہا ہوں' اور ایک نبی کی نظر ہمیشہ خدا کی ذات ہی پر ہوتی ہے۔

دوسری مثال:

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبے کی تعمیر کے بعد دعا فرمائی:

''اے رب! کر اس شہر کو امن کا
اور بچا مجھ کو اور میری اولاد کو اس سے کہ ہم
پوجیں مورتیاں۔''

ابراہیم علیہ السلام توحید کے داعی اعظم تھے' انبیاؑ علیہم السلام میں یہ اسی خطاب سے پکارے جاتے ہیں' توحید کا داعی یہ دعا کر رہا ہے کہ مجھے بت پرستی سے بچا! کیا ابھی تک ابراہیم علیہ السلام بت پرستی سے بچے نہیں تھے؟ اور کیا زندگی کے کسی دور میں بھی ان سے بت پرستی کا ارتکاب ہوا تھا؟ نہیں! قطعاً نہیں ہوا' پھر یہ دعا کیسی؟

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے اسی اشکال سے بچنے کے لئے ترجمے میں یہ رعایت رکھی ہے' فرماتے ہیں: ''دور دار مرا'' یعنی دور رکھنا مجھے۔ جس طرح بچانا تیرا ہی کام ہے' اسی طرح اس پر قائم رکھنا بھی تیری ہی عنایت پر موقوف ہے۔

اصل میں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دعا کرنی تھی اپنی اولاد کے لئے' لیکن اگر صرف اولاد کے لئے دعا کرتے تو اس سے کسی کے دل میں یہ خیال پیدا ہوسکتا تھا کہ کیا حضرت ابراہیم علیہ السلام خود اپنی طرف سے مطمئن ہیں' خود بے نیاز ہیں؟ جو اس موقع پر اپنی ذات کے لئے کچھ نہیں فرماتے؟

یہ صحیح ہے کہ ایک نبی کو کفر و معصیت کے ہر خطرے سے مطمئن ہونا چاہئے اور درحقیقت وہ ہوتا بھی ہے' لیکن وہ اطمینان اسی درجے میں ہوتا ہے کہ نبی کی عبدیت و نیاز مندی اور توجہ الی اللہ میں فرق نہیں پڑتا اور یہی ان کی شان کا کمال ہوتا ہے کہ باوجود پورے اطمینان کے ہر وقت خدا پر نظر رکھتے ہیں' اس لئے استقامت کے ملتجی رہتے ہیں اور اپنے اس طرز عمل سے دنیا کو یہ بتانا چاہتے ہیں کہ نبی معصوم ہوتا ہے' ضرور ہوتا ہے لیکن نبی کی صفت عصمت بھی خدا تعالیٰ ہی کی حفاظت و صیانت سے قائم رہتی ہے' پس ان کے ماننے والوں کو بھی یہی چاہئے کہ خدا تعالیٰ کی عظمت ہی کو اصل عظمت سمجھیں' انبیاؑ علیہم السلام کے کمالات پر شیدا ہوکر کمالات کے حقیقی سرچشمہ (ذاتِ حق) سے ایک لمحے کے لئے بھی غافل نہ ہوں' اسی طریق کار سے ایمان کی حفاظت ہوسکتی ہے' ورنہ افراط و تفریط میں مبتلا ہوکر تباہ ہونے کا اندیشہ ہے۔

تیسری مثال:

حضرت یوسف علیہ السلام زندگی کے آخری دور میں دعا فرماتے ہیں:

''اے رب! تو نے دی مجھ کو کچھ
سلطنت اور سکھایا مجھ کو کچھ پھیر باتوں کا'
اے پیدا کرنے والے آسمان و زمین کے'
تو ہی میرا کارساز ہے دنیا میں اور آخرت
میں' موت دے مجھ کو اسلام پر اور ملا مجھ کو
نیک بختوں میں۔'' (سورۂ یوسف)

یوسف علیہ السلام کو جس ذات نے ظاہری شان و شوکت (ملک) اور باطنی دولت (تاویل احادیث) سے بھرپور نوازا' کیا وہ اسلام پر ان کا انجام بخیر نہ کرتا؟ اور کیا انہیں آخرت کی زندگی میں نیک بندوں میں شامل نہ فرماتا؟ اگر نبی کو بھی اپنے انجام کی بہتری کا یقین نہیں ہوسکتا تو پھر کسے ہوسکتا ہے؟

یقیناً غلامی سے شہنشاہی کے مقام پر پہنچانے والے خدا کی طرف سے حضرت یوسف علیہ السلام کو اطمینان تھا کہ وہ انجام بھی اتنا ہی شاندار کرے گا جتنا شاندار اس نے آغاز یعنی دنیا کی زندگی کو بنایا ہے' لیکن اس اطمینان و یقین کے باوجود بھی بندگی و نیاز' افتقار و احتیاج کا یہ اعلان و اظہار اس لئے تھا کہ یہ اپنی جگہ ایک مستقل کمال ہے اور مستقل شان ہے جو ایک مقبول بارگاہ بندے کے مراتب کو بلندی سے انتہائی بلندیوں تک پہنچا دیتی ہے۔

نیز اس میں امت کے لئے یہ سبق ہے کہ جب ہم رسولانِ مقدس ہر آن اور ہر لحظہ بندگی اور عجز و نیاز ہی میں اپنا کمال سمجھتے ہیں تو تم بھی ہمیں حد بندگی سے آگے نہ بڑھانا اور ہم سے وہ معاملہ نہ کرنا جو خدائے قادر و قدیر سے کرنا چاہئے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی زندگی کا ایک اور مقام بھی ملاحظہ فرمائیے:

شاہ مصر کے سامنے جب مصر کی عورتوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کی پاکدامنی پر شہادت دی اور اپنے قصور کا اعتراف کیا تو اس موقع پر حضرت یوسفؑ نے فرمایا:

"میں نے یہ تحقیق و تفتیش صرف اس لئے کرائی کہ میرے محسن عزیز مصر کو یہ معلوم ہو جائے کہ میں نے اس کی عدم موجودگی میں اس کی امانت میں خیانت نہیں کی۔"

حضرت یوسفؑ نے اپنی برأت پر زور دیا اور بغیر تحقیق و تفتیش کے جیل خانے سے باہر آنے سے انکار کر دیا' ان کی عصمت کا اسی طرح اعلان کرانا چاہتے تھا:

"اور میں پاک نہیں کہتا اپنے جی کو' جی تو سکھاتا ہے برائی' مگر جو رحم کیا میرے رب نے' بے شک میرا رب بخشنے والا مہربان ہے۔"

اس کی کیا وجہ ہے؟ اگر ایک رسول پاکیزہ نفس اور پاکدامن نہیں ہوتا تو کون ہوتا ہے؟

جواب یہ ہے کہ منصب نبوت کا تقاضا تھا کہ حضرت یوسفؑ اپنی برأت کا کھلے بندوں اعلان کراتے۔ چنانچہ جب اعلان کرایا تو صفت عبدیت اور شانِ بندگی جوش میں آ گئی۔ خیال آیا کہ سننے والے یہ نہ سمجھیں کہ یوسف کو اپنی پاکدامنی پر ناز ہے' یوسف از راہ شیخی معاملے کی تحقیق کرا کر اپنی ثقاہت کا اعلان کرنا چاہتے ہیں' یوسف کو اپنی ذات اور اپنے کردار پر بڑا بھروسا ہے۔ اس خیال کے آتے ہی فرمایا:

"میں نہیں کہتا کہ میرا نفس پاک ہے' پاک وہی ہے جسے خدا پاک رکھے' خدا تعالیٰ کی رحمت خصوصی ہی ہے جو رسولوں کی عصمت و حفاظت کی کفیل بنتی ہے' یوسفؑ کو اصل بھروسا اسی پر ہے' اگر منصب نبوت کا تقاضا نہ ہوتا تو شاید میں اس پر اصرار ہی نہ کرتا' کرم ہے اس غفور و رحیم کا کہ اس نے ابتلاء میں یوسف کو ثابت قدم رکھا' اور آج حقیقت کھل کر سامنے آ گئی۔"

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کے ان الفاظ پر بھی غور کیجئے:

"جس نے مجھے بنایا' وہی مجھ کو کھلاتا ہے اور پلاتا ہے اور جب میں بیمار ہوں تو وہی شفا دیتا ہے' اور وہ جو مجھ کو مارے گا' پھر جلائے گا اور وہ جو مجھ کو توقع ہے کہ بخشے گا میری تقصیر انصاف کے دن۔"

ایک پیغمبر اور قیامت کے دن مغفرت کی توقع کا اظہار! جس کے دم سے لاکھوں کی مغفرت ہو' ہزاروں ہدایت پا کر بخشش کے مستحق بنیں' وہ خود اپنی مغفرت کے لئے ان الفاظ میں محتاجی کا اظہار کرے' پھر دعا کے الفاظ میں ادب کی رعایت اس قدر کہ تمام الفاظ کی نسبت خدا تعالیٰ کی طرف اور بیماری کی نسبت اپنی طرف۔

مکمل مثال:

نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی تو ساری زندگی اور زندگی کی تمام ادائیں اسی صفت عبدیت و افتقار کا روشن مظہر ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک کے ہر گوشے میں شانِ عبدیت کی جھلک موجود ہے' یہاں تک کہ آپ کے اسی کمال نے حضرت حق سے یہ اعلان کرا دیا کہ یوں تو بندے میرے کروڑوں ہیں' مگر ان میں' بندہ کا لقب پانے کا اگر کوئی مستحق ہے تو وہ ہمارے آخری نبی ہیں: "محمداً عبدہ و رسولہ."

اس شانِ بندگی کا وجد آفریں منظر دیکھنا ہو تو بدر کے میدان میں پھونس کی بنی ہوئی اس جھونپڑی کی طرف دیکھو' جس میں رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کمزور مٹھی بھر غلاموں کے لئے دعا میں مصروف ہیں۔ خدا تعالیٰ نے وعدہ فرما رکھا ہے' ارشاد ہے:

"بے شک ہم رسولوں کی اور مسلمانوں کی مدد کریں گے دنیا کی زندگی میں۔" (القرآن الحکیم)

خاص طور پر آج کے دن کے لئے بھی مدد اور فتح کی پیشگوئی فرما دی گئی تھی:

"اور وہ تو چاہتے تھے کہ گھبرا دیں تجھ کو اس زمین سے تاکہ نکال دیں تجھ کو یہاں سے اور اس وقت نہ ٹھہریں گے وہ بھی تیرے پیچھے مگر تھوڑا۔"

(بنی اسرائیل)

اس وعدہ حق پر نبی کو یقین ہے' اپنے ساتھیوں کو اطمینان دلاتے ہوئے مدینہ سے باہر نکل کر ارشاد فرماتے ہیں:

"چلو خدا کی برکت و رحمت پر بھروسا کر کے اور خوشخبری سنو کہ خدا تعالیٰ نے دو جماعتوں میں سے ایک جماعت پر فتح یاب کرنے کا وعدہ فرمایا ہے اور خدا کی قسم میں اس وقت دیکھ رہا ہوں کہ قریش کے لوگ کہاں کہاں پچھڑے پڑے ہیں۔" (تفسیر ابن کثیر سورۂ انفال)

اس کے باوجود حالت کیا ہے؟ حضرت عمر

رضی اللہ عنہ کا بیان سنئے‘ جو اس واقعے کے عینی شاہد ہیں:

”بدر کے میدان میں پہنچ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب پر نظر ڈالی‘ وہ تین سو سے کچھ اوپر تھے‘ پھر مشرکین کے لشکر پر نظر ڈالی اور وہ ایک ہزار سے زیادہ تھے۔“

تعداد کا یہ فرق دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جھونپڑی میں تشریف لے گئے اور قبلہ رخ ہوکر دعا فرمائی‘ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اقدس پر ایک چادر مبارک تھی اور ایک تہبند زیب تن فرمائے ہوئے تھے‘ دعا فرمارہے تھے:

”خداوند! مجھ سے جو وعدہ فرمایا ہے‘ اسے پورا فرما۔“

کبھی سجدے میں گر کر فرماتے:

”خداوند! اگر تونے اس قلیل لشکر اسلام کو ہلاک کردیا تو روئے زمین پر کبھی تو پوجا نہیں جائے گا۔“

حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا فرماتے رہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر استغراق ومحویت طاری رہی‘ یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک شانوں سے چادر مبارک پھسل گئی اور آپ اس عالم فانی سے بے خبر مشاہدۂ جمالِ الٰہی میں ڈوبے ہوئے یہ التجا کرتے رہے۔

اتفاق کہئے یا الہام ربانی کا اشارہ کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ جھونپڑی میں تشریف لے آئے‘ دیکھا کہ آقا پر عجیب کیفیت طاری ہے‘ برداشت نہ ہوسکا‘ محبوب خدا اور اس قدر الحاح و زاری!

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے چادر اٹھائی اور اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک شانوں پر رکھ دیا‘ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے الفاظ ہی ملاحظہ فرمائیے:

”ابوبکرؓ نے چادر اٹھائی اور کندھوں پر ڈال دی‘ پھر پیچھے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے چمٹ گئے اور عرض کیا: حضور! آپ نے اپنے رب سے کافی مناجات کرلی‘ پس خدا تعالیٰ ضرور اپنا وعدہ پورا فرمائے گا۔“

ظاہری آنکھیں بند کرکے تصور کی آنکھیں کھول لیجئے‘ غلام‘ آقا سے چمٹے ہوئے ہیں اور تسلی دیتے ہوئے فرمارہے ہیں کہ بس کیجئے سرکار‘ بہت دعا فرمالی‘ خدا تعالیٰ ضرور اپنا وعدہ پورا فرمائے گا۔

جو کیفیت آقا پر طاری تھی‘ وہی کیفیت یارِ غار صدیق اکبرؓ پر بھی طاری ہوگئی‘ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے مولا کے سامنے یہ فرمانا:

”اگر یہ مسلمان ہلاک ہوگئے تو پھر کبھی تیری بندگی نہیں کی جائے گی۔“

بظاہر ایک جسارت معلوم ہوتی ہے‘ خدا تعالیٰ کی بندگی بھلا کس پر موقوف ہے؟ وہ تو قادر مطلق ہے‘ کیا وہ اپنی عبادت کے لئے ان ہی تین سو تیرہ کا محتاج تھا؟ معاذ اللہ! لیکن پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کیا فرمایا؟ کیا یہی آدابِ بندگی ہیں؟

جواب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اس وقت بندگی اور ناز کی دو مختلف کیفیتیں طاری تھیں‘ بندگی نے جھکا دیا‘ ادائے ناز زبانِ مبارک سے گویا ہوئی کہ مولیٰ تیرے محبوب نے تیرہ سال کی محنت کے بعد یہ مٹھی بھر جماعت تیار کی ہے تاکہ تیرا نام بلند ہو‘ اگر یہ جماعت مٹ گئی تو پھر اتنی محنت کون کرے گا؟ مکہ کا وہ آزمائشی دور کس طرح واپس آئے گا؟ اور آج کی فتح کے بعد پھر کفر کی بڑھی ہوئی ہمت کیسے پست ہوگی؟

عام حالات میں اگر کوئی اپنی قربانی اور نیکی پر ناز کرے تو معتوب ہوجائے‘ لیکن یہ حق صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو حاصل تھا کہ مولا کے حضور میں اتنی بڑی بات کہہ دیں۔

راقم نے اسی کو ”مقامِ ناز“ سے تعبیر کیا ہے۔

اب صدیق اکبرؓ کی حالت پر غور کیجئے۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے لپٹ جانا‘ ایک غلام کے ادب کا یہ کون سا طریقہ ہے؟ یہ تو گستاخی ہے؟

میں کہوں گا: ٹھیک ہے‘ لیکن ابوبکرؓ اس وقت آقا کے رنگ میں رنگے ہوئے ہیں‘ آقا اپنے مولا سے ناز ومحبت کے ساتھ پیش آرہے ہیں اور ابوبکر صدیقؓ اپنے محبوب پر ناز ومحبت سے قربان ہورہے ہیں‘ آقا وغلام دونوں مقامِ ناز میں ہیں‘ راز ونیاز میں ہیں‘ جہاں قواعد وضوابط کی پہنچ نہیں‘ قانون کی پرواز نہیں۔

بدر کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر گریہ وزاری کی جو کیفیت طاری تھی‘ اس کے متعلق حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا بیان یہ ہے:

”بدر کے روز گھڑ سوار ہم میں صرف حضرت مقدادؓ تھے‘ اس روز میں نے لشکر پر جو ایک نظر ڈالی تو دیکھا: ہم میں سے ہر شخص نیند میں مدہوش تھا‘ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم جاگ رہے تھے‘ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک درخت کے نیچے نماز میں مشغول تھے اور

آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر رقت طاری تھی‘ یہاں تک کہ صبح ہوگئی۔‘‘ (ابن کثیرؒ)

بالآخر خدا تعالیٰ نے اپنے رسول کو تسلی دی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم فتح کی یہ پیش گوئی سناتے ہوئے پھونس کے خیمے سے باہر تشریف لائے:

’’فوج کو شکست دی جائے گی
اور وہ پشت پھیر دیں گے۔‘‘ (سورۂ قمر)

آپؐ دین کے ہادی ہیں‘ خدا کی مرضیات کی آخری سند ہیں‘ اعلان کردیا گیا ہے کہ دین حق ان ہی کے اسوۂ پاک کا نام ہے‘ لیکن زبان پر اکثر اوقات یہ دعا ہے:

’’اے دلوں اور آنکھوں کے
پلٹنے والے! ہمارے دلوں کو اپنے دین
اور اپنی اطاعت پر جما دے۔‘‘

جس کی استقامت پر خود خدا کو اتنا ناز ہو کہ وہ اعلان کردے:

’’جس نے رسول کی اطاعت کی
اس نے اللہ ہی کی اطاعت کی۔‘‘

وہ رسول ثبات و استقامت کی اس طرح دعا کرے‘ پھر غور کیجئے:

’’اپنے مولا کی عظمت کے سامنے
اپنے آپ کو کچھ نہ سمجھنا۔‘‘

اس کی کتنی اچھی مثال سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعا میں ہے۔ جن کا وجود سراپا خیر و صلاح‘ جن کی کسی جسمانی یا ذہنی طاقت کا شر و فساد کی طرف مائل ہونا ناممکن‘ اور یہ بھی ممکن نہیں کہ کفر و نافرمانی‘ بداخلاقی اور ریاکاری ان کی طرف رخ کرے‘ معاذ اللہ‘ لیکن پھر یہ دعا کس قدر تواضع اور عجز سے خدا کی بارگاہ کبریائی میں‘ پھر اس التجا پر غور کیجئے‘ جنہیں ساری کائنات کی ہدایت کی ذمہ داری سونپ کر بھیجا‘ وہ یہ درخواست کریں:

’’مالک! ایک لمحے کے لئے مجھے
میرے حوالے نہ کیجئے۔‘‘

اس دعا کے انداز کو بھی سامنے رکھئے:

’’خداوندا! میں خود بھی تیرا بندہ
ہوں‘ میرا باپ بھی تیرا بندہ تھا اور میری
ماں بھی تیری بندی تھی‘ میری گردن
تیرے ہی قبضے میں ہے‘ میرے اندر تیرا
ہی حکم جاری ہے‘ میرے معاملے میں
تیرے تمام فیصلے حق بجانب ہیں‘ یعنی
میرے ساتھ جو کچھ تو کرتا ہے‘ صحیح کرتا
ہے۔‘‘ (احمد عن ابن مسعودؓ)

تسلیم و رضا‘ بندگی اور نیاز مندی کا اس طرح اظہار سب سے بڑے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے خدا تعالیٰ کو کس قدر پسند آیا ہوگا؟

مولانا نارویؒ فرماتے ہیں:

سید و سرور محمد نور جاں
مہتر و بہتر شفیع عاصیاں

مرتبہ یہ تھا اور بندگی کا حال یہ تھا:

اندریں جا آفتاب انوری
خدمت ذرہ کند چوں چاکری
ایں ترا باور نیاید مصطفیٰ
چوں ز مسکیناں ہمی جوید دعا

یعنی وہ آفتاب عالم تھے‘ مگر ذروں کی خدمت کرتے تھے‘ مراد ذروں سے صحابۂ کرام ہیں‘ نیز کون باور کرسکتا ہے کہ وہ حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم مساکین سے اپنے لئے دعا کرایا کرتے تھے۔ (صلی اللہ علیہ وسلم)۔

☆☆..........☆☆

بقیہ: علماء کا کردار

استعمال کرتا ہے‘ چنانچہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی نور اللہ مرقدہ ’’آپ بیتی‘‘ میں اپنے زمانہ طالب علمی کے ایک سبق آموز واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

’’اس نابکار (حضرت شیخ الحدیثؒ) کو بزرگی کا جوش ہوا اور مغرب کے بعد حضرت گنگوہی قدس سرہ کے حجرے کے سامنے لمبی نفلوں کی نیت باندھ لی‘ ابا جان نے آکر ایک زور سے تھپڑ مارا اور یہ فرمایا کہ: ’’سبق یاد نہیں کیا جاتا۔‘‘ میرے چچا جان (حضرت مولانا محمد الیاس) رحمۃ اللہ علیہ اس زمانے میں بڑی لمبی نفلیں پڑھا کرتے تھے‘ بعد مغرب سے عشاء کی اذان کے قریب فارغ ہوا کرتے تھے‘ لیکن والد صاحب کے یہاں مختصر سی نوافل کے بعد تعلیم کا سلسلہ شروع ہوجاتا۔ اس وقت تو مجھے بہت غصہ آیا‘ کہ خود تو پڑھی نہیں جاتی‘ دوسرے کو بھی پڑھنے نہیں دیتے‘ مگر جلد ہی سمجھ میں آگیا کہ بات صحیح تھی‘ وہ نفلیں بھی شیطانی حربہ علم سے روکنے کے واسطے تھا‘ اس لئے کہ جب نفلیں پڑھنے کا دور آیا‘ اب نفس بہانے ڈھونڈتا ہے۔‘‘

(آپ بیتی‘ جلد اوّل‘ ص:۲۰)

اللہ تعالیٰ ہم سب کو قرآن و سنت‘ علوم نبوت‘ فقہ و حدیث اور دین و شریعت کا سچا پیروکار اور اپنے اسلاف و اکابر کا صحیح جانشین بنائے اور نفس و شیطان کے مکر و فریب سے محفوظ فرمائے۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد
وآلہ واصحابہ اجمعین ☆☆

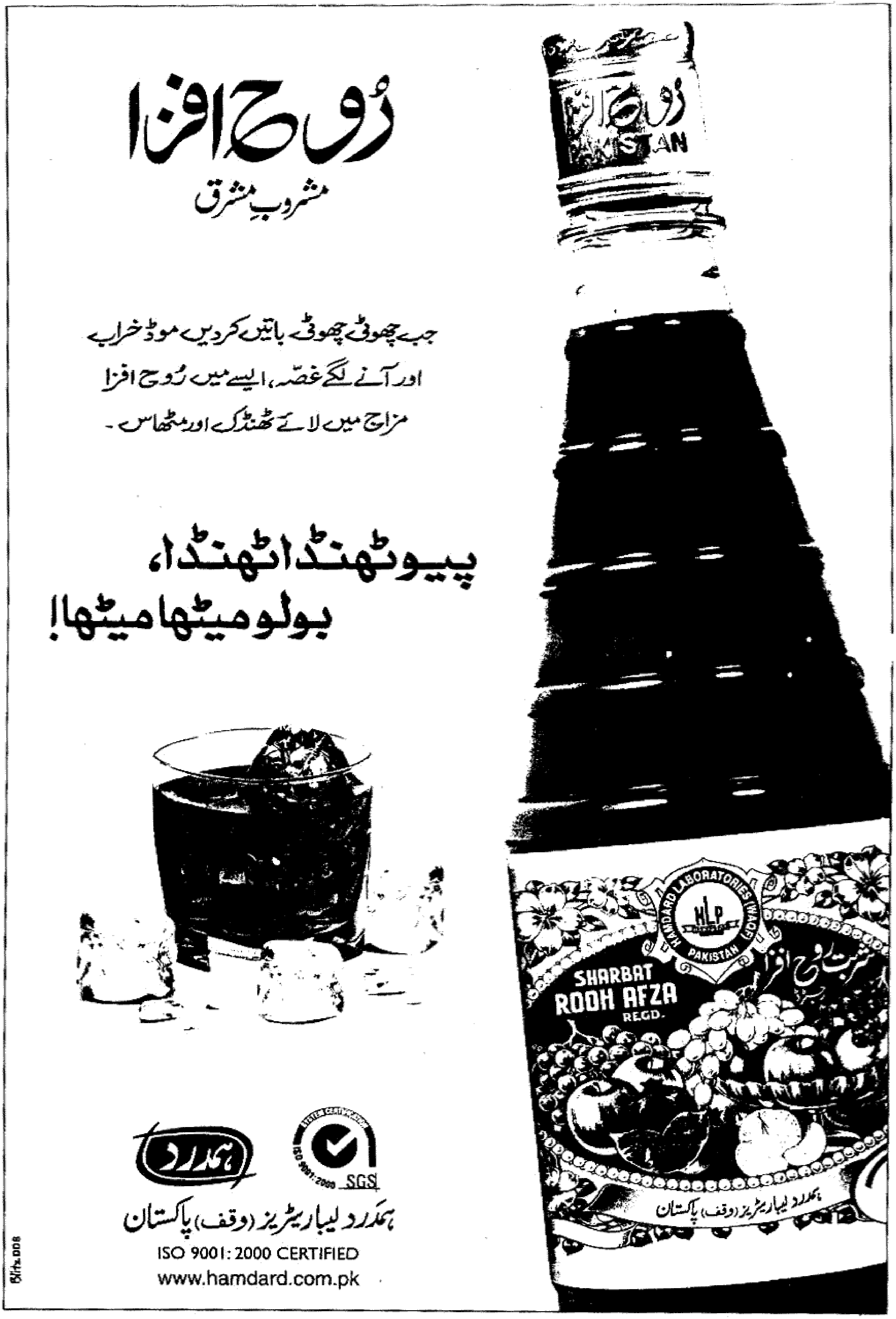
رُوح افزا
مشروبِ مشرق
جب چھوٹی چھوٹی باتیں کردیں موڈ خراب
اور آنے لگے غصّہ، ایسے میں رُوح افزا
مزاج میں لائے ٹھنڈک اور مٹھاس۔
پیو ٹھنڈا ٹھنڈا،
بولو میٹھا میٹھا!
ہمدرد
SGS
ہمدرد لیباریٹریز (وقف) پاکستان
ISO 9001: 2000 CERTIFIED
www.hamdard.com.pk
SHARBAT
ROOH AFZA
REGD.
HAMDARD LABORATORIES (WAQF) PAKISTAN

غیبت کی حقیقت

عبدالسبحان

’’غیبت‘‘ اگرچہ عربی لفظ ہے‘ لیکن ہر خاص و عام اس کا مفہوم سمجھتا اور روزمرہ کی گفتگو میں اسے استعمال کرتا ہے۔ لطف یہ کہ اسے کوئی بھی فردِ انسانی اچھا نہیں سمجھتا۔ غیبت سے قرآن حکیم نے بھی بہت سختی سے منع فرمایا ہے۔ ایک مقام پر اس کی مذمت تمثیل کے ذریعہ ان الفاظ میں بیان کی ہے:

’’(اور کوئی کسی کی غیبت بھی نہ کیا کرے) کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے؟ تم اس کو ناگوار سمجھتے ہو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو‘ بے شک اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔‘‘

(الحجرات)

شیخ الاسلام حافظ ابن قیمؒ نے اس آیت سے متعلق چند نکات لکھے ہیں‘ جن میں سے چند یہ ہیں:

۱:......’’ آیت مبارکہ میں غیبت کرنے کو مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھانے سے تشبیہ دی گئی ہے‘ جس کی ایک وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ جو شخص پیٹھ پیچھے اپنے مسلم بھائی کی عزت کو داغ دار کرتا ہے‘ اسے یوں سمجھئے کہ جیسے کسی کے بھائی کی روح موت کے سبب نکل چکی ہو اور وہ کاٹ کاٹ کر اس کا گوشت کھاتا ہو۔

۲:......جس کی کسی مجلس میں غیبت کی جارہی ہے‘ چونکہ غیر موجودگی کی وجہ سے وہ اپنا دفاع نہیں کرسکتا‘ اس لئے اسے ایسا ہی سمجھو کہ جیسے کوئی مردے کا گوشت کاٹے اور وہ اپنا دفاع نہ کرسکے۔

۳:...... اخوت کا تقاضا تو بھائی چارہ اور ہر طرح کی غم خواری و ہمدردی کا مظاہرہ تھا‘ لیکن غیبت کرنے والے نے برائی‘ غیبت جوئی اور طعن و تشنیع کے ذریعہ اس کے برعکس کیا‘ گویا بھائی کی ہر طرح کی حفاظت وصیانت بھائی کے ذمہ تھی‘ مگر اس بھائی نے اپنے بھائی کا گوشت کاٹ کر اپنے احساس ذمہ داری کو ختم کرتے ہوئے اس کے خلاف عملی ثبوت پیش کیا۔

۴:......غیبت کرنے والا برائی و عیب جوئی کرکے اپنے خیال میں بہت ہی لطف اندوز ہوتا ہے‘ اس کی مثال یوں دی گئی ہے جیسے کوئی مردہ بھائی کا گوشت کاٹ کر کھانے سے لطف اندوز ہوتا ہے۔

۵:......غیبت کرنے والا چونکہ اس کے ذریعہ لطف اندوز ہوتا ہے‘ اس لئے کوئی اگر صرف غیبت کرتا ہے تو یوں سمجھئے کہ مردار کا گوشت کھانے میں لطف حاصل کرتا ہے۔

الحاصل خدا نے ایک معقول شے کو محسوس سے تشبیہ دے کر یہ سمجھا دیا کہ جس طرح مردار گوشت سے ہر ایک کو شدید نفرت ہوتی ہے‘ اس سے کہیں زیادہ غیبت سے نفرت ہونی چاہئے‘ اسی لئے عقل‘ فطرت اور حکمت کا تقاضا ہے کہ غیبت سے مردار کا گوشت کھانے سے بھی زیادہ نفرت ہونی چاہئے۔‘‘ (تفسیر ابن قیم صفحہ۴۴۲)

ابوالحسنات مولانا عبدالحی لکھنویؒ نے غیبت کی حرمت کی دو عجیب وجوہ لکھی ہیں:

۱:......’’جس طرح کسی کا گوشت کھانے سے اس کی نہایت تذلیل ہوتی ہے اسی طرح غیبت میں بھی اس کی نہایت عزت ریزی ہوتی ہے‘ لہٰذا جب کسی نے غیبت کی تو اس کو اتنا ذلیل کیا گویا کہ اس کا گوشت کھایا۔

۲:......جس طرح آدمی کا مردار گوشت کھانا طبیعت کے بہت ہی خلاف معلوم ہوتا ہے اور ہر شخص اس سے پرہیز کرتا ہے‘ اسی طرح غیبت بھی بُری چیز ہے لہٰذا ہر شخص پر لازم ہے کہ غیبت سے اپنی زبان بند کرے اور اپنے نفس کو روکے۔‘‘

(زجرالشان صفحہ۷۲)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی متعدد احادیث میں غیبت سے منع فرمایا ہے:

"غیبت گناہ میں زنا سے بڑھ کر ہے۔"

اس کی وجہ یہ ہے کہ زنا میں فقط رحمٰن کی مخالفت اور شیطان کی متابعت ہوتی ہے اور غیبت میں دو امر ہیں: ایک اللہ کی مخالفت' دوسرے جس کی غیبت کی ہے' اس کو تکلیف دینا۔ یوں کہئے کہ ایک ہیں حقوق اللہ اور دوسرے حقوق العباد۔ حقوق اللہ توبہ سے معاف ہو سکتے ہیں' لیکن حقوق العباد میں جب تک دوسرا بندہ دل سے معاف نہ کرے' معافی نہیں ہو سکتی۔ غیبت بھی حقوق العباد میں سے ہے' جسے خدا بھی معاف نہیں کرتا' جب تک کہ جس کی غیبت کی گئی ہے وہ معاف نہ کر دے' لہٰذا اس کا جرم زنا سے بھی زیادہ سنگین ہوا۔

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

"جس شخص نے دنیا میں اپنے کسی بھائی کا گوشت کھایا (غیبت کی) تو اسے آخرت میں اس کے بھائی کا گوشت پیش کرتے ہوئے کہا جائے گا کہ جس طرح تو نے دنیا میں اس کا گوشت کھایا' اسی طرح اب بھی اس کا گوشت کھا۔ غیبت کرنے والا جب اس گوشت کو منہ میں رکھے گا تو نہایت بُرا منہ بنائے گا اور رُسوا ہوگا۔" (زجر الشان صفحہ:۸۲)

حضراتِ صحابہؓ اور اسلافِ امتؒ نے اس فعل شنیع سے جس قدر نفرت دلائی ہے' ذیل میں ان کے چند ارشادات ملاحظہ ہوں:

حضرت کعب احبارؒ فرماتے ہیں:

"جو غیبت سے توبہ کر کے مرا' وہ سب سے بعد میں جنت میں جائے گا اور جو شخص بلا توبہ مرا' وہ سب سے پہلے دوزخ میں جائے گا۔" (زجر الشان ص:۸۲)

حضرت فاروق اعظمؓ فرماتے ہیں:

"اے انسان! تو اپنے اوپر خدا کے ذکر کو لازم کر کیونکہ وہ شفا ہے اور غیبت سے بچ کیونکہ یہ بیماری ہے۔"

(زجر الشان ص:۸۲)

حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں:

"جس طرح آدمی اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانے سے کراہیت کرتا ہے' اسی طرح واجب ہے کہ غیبت سے اپنے آپ کو روکے اور جہنم میں نہ جھونکے۔" (زجر الشان ص:۸۲)

حضرت زین العابدین علیؒ نے ایک شخص کو غیبت کرتے ہوئے دیکھا تو فرمایا:

"اپنے آپ کو غیبت سے بچا' کیونکہ یہ کتوں کا سالن ہے۔"

(زجر الشان ص:۸۵)

حضرت ابوقلابہؒ نے ایک موقع پر فرمایا:

"غیبت کی وجہ سے انسان کا دل ہدایت سے ہٹ جاتا ہے اور ویرانے میں تبدیل ہو جاتا ہے۔"

(منہاج العابدین ص:۱۱۲)

منقول ہے کہ حضرت حسن بصریؒ سے کسی نے کہا کہ: فلاں شخص نے آپ کی غیبت کی ہے' تو آپؒ نے غیبت کرنے والے آدمی کو کھجوروں کا ایک تھال بھر کر روانہ کیا اور ساتھ ہی یہ کہلا بھیجا کہ: سنا ہے کہ آپ نے مجھے اپنی نیکیاں ہدیہ کی ہیں' تو میں نے ان کا معاوضہ دینا بہتر جانا۔ (منہاج ص:۱۱۰ ج:اوّل)

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کے سامنے کسی نے غیبت کا ذکر کیا تو آپؒ نے فرمایا کہ: اگر میں کسی کی غیبت کرنا درست جانتا تو اپنی ماں کی غیبت کرتا' کیونکہ میری ماں میری نیکیوں کی سب سے زیادہ مستحق ہے۔

منقول ہے کہ ایک مرتبہ حضرت حاتم اصمؒ کی نماز تہجد فوت ہوگئی' تو آپؒ کو آپ کی بیوی نے عار دلائی۔ آپؒ نے جواب دیا کہ گزشتہ شب ایک جماعت ساری رات نوافل میں مصروف رہی ہے اور صبح انہوں نے میری غیبت کی ہے تو ان کی اس رات کی عبادت قیامت کے روز میرے اعمال کے ترازو میں رکھ دی جائے گی۔ (منہاج العابدین للغزالیؒ ص:۱۱۰)

غیبت کرنے والوں کو کتوں سے تشبیہ دینے کی وجہ غالباً یہ ہے کہ غیبت کرنا مُردار بھائی کا گوشت کھانے کے مترادف ہے۔ ظاہر ہے کہ مُردار کا گوشت کھانا اور ہڈیاں چبانا کتوں کا کام ہے' لہٰذا غیبت کرنے والے کتوں کی مثل ہوئے' کیونکہ اگر آدمی ہوتے تو ان میں آدمی کی صفت ہوتی اور انسانی حیا ان میں پائی جاتی اور وہ نہ کسی کی غیبت کرتے' نہ کسی پر طعن کرتے۔

☆☆..........☆☆

دینی مدارس اور علمائ کا کردار

درسِ نظامی پر اشکالات کا جواب

مولانا سعید احمد جلال پوری

گزشتہ دنوں ایک دینی مدرسہ کے طالب علم نے نہایت اضطراب کی حالت میں اور ڈرتے ڈرتے ایک سوال نامہ پیش کیا اور اس کے جواب کی فرمائش کی' ایک صبح اٹھ کر جواب لکھنے بیٹھا تو خلاف معمول ایک ہی نشست میں اُسے مکمل کردیا' جو کسی قدر نوک پلک درست کرنے کے بعد نذر ناظرین ہے:

''حضرت محترم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

حضرت! بندے کے دل میں کافی عرصے سے مدارس کے نصاب کے متعلق چند اشکالات وسوالات ہیں' جنہوں نے ایک اضطرابی کیفیت پیدا کی ہوئی ہے' لہٰذا بندہ اس سے خلاصی پانے کے لئے تمام اشکالات کو آپ کی نظر کرنا چاہتا ہے۔ امید ہے کہ شفقت کے ساتھ سوالات کا جواب مرحمت فرمائیں گے۔

۱:...... مدارس میں جدید فقہی مسائل کیوں نہیں پڑھائے جاتے؟ حالانکہ وہ تمام قدیم مسائل پوری تشریح وتوضیح اور دلائل و بحث کے ساتھ پڑھائے جاتے ہیں' جن کی ہمارے دور (زمانے) میں دور کی بھی مماثلت نہیں پائی جاتی' اور ان مسائل کی موجودہ زمانے کے لحاظ سے تطبیق دینا بھی ممکن نہیں' ہمیں یہ سب تو پڑھایا جاتا ہے' لیکن مروجہ سودی نظام' لیزنگ' بیمہ پالیسی' بینکنگ' اکاؤنٹ اور پرائز بانڈ وغیرہ کے بارے میں ہم بالکل ناآشنا ہیں۔

۲:...... موجودہ زمانہ میں سونے اور چاندی کی قیمتوں میں انتہائی تفاوت کی وجہ سے زکوٰۃ کا نصاب کیا ہونا چاہئے؟

۳:...... موجودہ زمانہ کے لحاظ سے عشر و خراج کا طریقہ کیا ہونا چاہئے؟ اور ہماری زمینیں عشری ہیں یا خراجی؟

۴:...... کاغذی نوٹ کے بارے میں شریعت کی نظر میں ثمنیت کا کیا اعتبار ہے؟ حالانکہ جب کاغذی نوٹ کا اجرأ کیا گیا تو اس کو سونے اور چاندی کے مساوی قرار دیا گیا' اب اس میں تفاوت پایا جاتا ہے' اس بارے میں کچھ نہیں پڑھایا جاتا۔

۵:...... تفسیر میں صرف تفسیر عثمانی پر ہی کیوں اقتصار کیا جاتا ہے؟ قرآن و حدیث کی حقانیت کو آج کی سائنس ثابت کررہی ہے' ہمیں اس لحاظ سے کیوں نہیں پڑھایا جاتا؟ حالانکہ ایک عام دنیا دار پروفیسر' علمأ سے زیادہ اس کی تحقیق رکھتا ہے' اور جدت پسندوں کو ہمیں رجعت پسند کہنے کا موقع ہاتھ آجاتا ہے۔

۶:...... مدارس میں پانچ سال تک منطق کیوں پڑھائی جاتی ہے؟ اور اس میں فضول قسم کی قیل و قال کی جاتی ہے؟ جن کا نہ فائدہ ہے اور نہ افادہ؟

۷:...... مدارس میں پانچ سال تک نحو کیوں پڑھائی جاتی ہے؟ ''کلمہ کی تعریف کو کلام کی تعریف پر کیوں مقدم کیا؟ کلام کی تعریف کو کلمہ کی تعریف سے کیوں موخر کیا؟'' اس قسم کے فضول فلسفے پڑھائے جاتے ہیں' اور نتیجہ یہ ہے کہ دس سال تک عربی تکلم پر قدرت ہے' نہ انشاء پر۔

۸:...... مدارس میں تقابل ادیان سے متعلق کسی قسم کا مواد نہیں پڑھایا جاتا؟ سوائے ان معتزلہ کے' جن کا وجود دنیا میں نہیں رہا۔

۹:...... دس سال مدرسہ میں تعلیم حاصل کرنے والا شہریت' جغرافیہ اور انگریزی سے نابلد رہتا ہے اور اپنی قومی زبان پر بھی مکمل دسترس حاصل نہیں کرپاتا۔

مدارس میں رائج اس نصاب کی وجہ سے مدارس کے فضلاء میں درج ذیل خرابیاں پیدا ہوگئیں:

الف:...... مدارس سے ایسا طبقہ پیدا ہوا جسے معاشرے نے قبول نہیں کیا۔

ب:...... مدارس دیہاتی ماحول اور چھوٹے طبقے تک محدود ہوگئے اور اہل ثروت کا مدارس کی طرف رجحان ختم ہوگیا۔

ج:...... علماً کے اندر سے تحقیق کام کا ذوق ختم ہوتا چلا گیا۔

د:...... علماً محدود ذہن کے ہوگئے۔

ہ:...... اس کے علاوہ کئی وجوہات حضرت مولانا محمد طلحہ کاندھلوی صاحب دامت برکاتہم کے اس مکتوب گرامی سے بھی معلوم ہوتی ہیں' جو درج ذیل ہے:

''مکرمان ومحترمان حضراتِ اکابر وذمہ دارانِ مدارس! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

اللہ پاک کا شکر ہے! بندہ بعافیت ہے' امید ہے بعافیت ہوں گے' آج ذمہ داران مدرسہ کو ایسے علماً تیار کرنے چاہئیں' جن کی پڑھنے ہی کے زمانہ میں پڑھانے کی نیت کرائی جائے' وہ فارغ ہوکر پڑھائیں اور پڑھنے ہی کے زمانہ میں تھوڑا تھوڑا وقت لگا کر دعوت وتبلیغ سے مناسبت پیدا کریں' اور پڑھنے کے زمانہ میں جس کی طرف اس کا رجحان ہو' بیعت کا تعلق کرادیں' تاکہ پڑھنے کے ساتھ سلوک سے مناسبت ہوجائے' پھر وہ جہاں بیٹھے تینوں کام کرنے والا ہو: ایک طرف تعلیم دے رہا ہو' اور ایک جگہ تبلیغ کی خدمت کررہا ہو' اور ایک طرف اپنے معمولات پورے کررہا ہو' اور دوسروں کے معمولات پورے کرانے کا ذریعہ بن رہا ہو' آج پوری دنیا میں ہر سال اتنے علماً فارغ ہونے کے باوجود' مکاتب میں پڑھانے والے نہیں ملتے' مدارس کی کتابیں پڑھانے والے نہیں ملتے' مراکز میں جماعتیں لے کر چلنے والے نہیں ملتے اور خانقاہوں میں ذاکرین کی وہ مقدار نہیں ہوتی جیسی ہونی چاہئے' پوری دنیا میں جو کچھ اس لائن سے نظر آرہا ہے' وہ صُفّہ پر ایک ہی جگہ ہورہا تھا' وہیں مبلغین تیار ہورہے تھے' وہیں مجاہدین تیار ہورہے تھے' آج ضرورت اس بات کی ہے کہ صُفّہ کی ترتیب پر سارے اعمال ایک ہی جگہ ہورہے ہوں' میں آپ حضرات سے درخواست کرتا ہوں کہ پوری دنیا میں یہ ماحول بنایا جائے' اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے...... فقط والسلام

محمد طلحہ کاندھلوی

۲۱/محرم الحرام ۱۴۲۶ھ''

اللہ تعالیٰ ہمیں علم نافع عطا فرمائے۔ آمین۔ اللّٰھم انی اعوذبک من علم لا ینفع۔ بندہ محمد عبداللہ' کراچی

جواب: ا:...... میرے عزیز! یہ تو آپ کو بھی معلوم ہوگا کہ اسلامی شریعت کے ماخذ چار ہیں: قرآن' حدیث' اجماع اور قیاس۔ اور ان سب کی اصل' بنیاد اور منبع قرآن کریم ہے' اس لئے کہ قرآن کریم میں بعض احکام تو صراحتاً مذکور تھے' اور جو احکام قرآن کریم میں صراحتاً مذکور نہیں تھے' آقائے دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث شریف میں ان کی وضاحت فرمادی' اس لئے حدیث بھی قرآن کریم کی شرح وتفسیر ہے' پھر جو احکام ومسائل قرآن وحدیث میں صراحتاً مذکور نہیں تھے' حضرات صحابہ کرامؓ' ائمہ مجتہدینؒ اور اکابر علمائے امت نے انہیں ان دو بنیادوں یعنی قرآن وحدیث کی روشنی میں مستنبط فرمایا' اور جن مسائل پر اکابر کا اجماع ہوگیا' وہ اجماعی مسائل قرار پائے' پھر جو مسائل اس کے علاوہ تھے' انہیں ان تین بنیادوں سے ماخوذ اصولوں پر قیاس کرکے معلوم کیا گیا اور اسی کا نام ''فقہ'' ہے۔ لہٰذا فقہ میں پہلے اصول اور کُلیات کا درس دیا جاتا ہے' اگرچہ اس میں بیشتر جزئیات سے بھی بحث کی جاتی ہے' مگر چونکہ جدید فقہی مسائل ہر دور کے الگ الگ ہوتے ہیں' لہٰذا حضرات علماً کرام نے فقہ کے اصول وضع فرماکر ہر دور کے علماً کو اس قابل بنادیا کہ وہ ان اصولوں کی روشنی میں جدید فقہی مسائل کو سمجھا اور پڑھا سکیں۔

اگر موجودہ دور کے جدید مسائل کو اسی تناظر میں دیکھا جائے تو اکابر علماً اور اربابِ دینی مدارس نے بنیادی طور پر ان کا درس دیا ہے' چنانچہ قدوری' کنز اور ہدایہ سمجھ کر پڑھ لی جائیں یا بالفاظ دیگر ہضم کرلی جائیں تو سود' جوا اور لاٹری کی تمام مروّجہ شکلیں اور ان کا حکم بآسانی سمجھ میں آسکتا ہے' لہٰذا یہ کہنا کہ علماً جدید مسائل کیوں نہیں پڑھاتے؟ درحقیقت فقہ اور اصول فقہ سے لاعلمی کی علامت ہے۔

قدیم مسائل پوری توضیح وتشریح سے پڑھانے کا مقصد بھی یہی ہے کہ جن طلبہ وعلماً کو یہ اصول سمجھ میں آجائیں گے' ان کو ان اصولوں کی روشنی میں جدید مسائل کا سمجھنا آسان ہوجائے گا' اور جو شخص قدیم مسائل اور ان کے اصول سمجھ لے گا' اس کو جدید مسائل سمجھنا اور ان کی تطبیق دینا آسان ہوجائے گا' مثلاً بیع قبل القبض' حرام اشیاء کی بیع' قسطوں کا کاروبار' بیمہ' لیزنگ وغیرہ' کون سا ایسا مسئلہ ہے جو فقہائے امت نے بیان نہیں فرمایا؟ تاہم اکابر علماً امت کے فتاویٰ اور ان کی تصنیفات میں ان پر مستقل بحث کی گئی ہے' جو کسی صاحبِ علم وعقل پر مخفی نہیں' کوئی

ایک ایسا مسئلہ بتلایا جائے جو ان اصول‘ قواعد اور کلیات سے ماورا ہو اور اس پر علمأ نے کوئی راہ نمائی نہ کی ہو؟

۲:...... آپ کا ارشاد کہ: سونے‘ چاندی کی قیمتوں میں انتہائی تفاوت کی وجہ سے اب زکوٰۃ کا نصاب کیا ہونا چاہئے؟ اس سلسلہ میں عرض ہے کہ:

دور حاضر کے مفتیانِ کرام اور ہندو پاک کے اربابِ تحقیق نے ان دونوں نصابوں (سونا اور چاندی) میں سے جو سستا ہو‘ اس کو وجوب زکوٰۃ کے لئے معیار قرار دیا ہے‘ اس لئے چاندی کے نصاب پر وجوبِ زکوٰۃ اور وجوبِ قربانی کا حکم ہے‘ یہ اگر ایک طرف انفع للفقرأ ہے تو وہاں احوط بھی ہے‘ کیونکہ اگر خدانخواستہ عنداللہ اس آدمی پر زکوٰۃ فرض تھی اور ہم نے اغنیاء کے نفع اور ان کی مشکلات کو پیش نظر رکھ کر اس کو زکوٰۃ سے بری قرار دے دیا تو وہ عنداللہ مجرم ہوگا۔

پھر یہ بھی دیکھا جائے اور غور کیا جائے کہ شریعت کے احکام میں ضعفأ اور فقرأ کا خیال رکھا گیا ہے‘ نہ کہ مال داروں اور طاقت وروں کا‘ گویا سونے کو نصاب قرار دینے کی صورت میں تو شاید و باید ہی کسی پر زکوٰۃ اور قربانی واجب ہوسکے گی‘ اس سے دولت کا ارتکاز ہوگا اور غربأ و فقرأ محتاج تر ہوجائیں گے۔

بہرحال میں نہ تو مجتہد ہوں اور نہ ہی مفتی‘ البتہ اکابر اساتذہ اور مفتیانِ کرام کا جدید و قدیم فتویٰ یہی ہے کہ نصاب کا معیار ان دو چیزوں میں سے وہ ہے جو سستی ہو اور چونکہ چاندی سستی ہے‘ اس لئے وہی نصاب ہے‘ اور ایسے شخص پر جو چاندی کے نصاب کا مالک ہو زکوٰۃ اور قربانی واجب ہے۔

۳:...... موجودہ زمانے کے لحاظ سے عشر و خراج کا طریقہ اور زمینوں میں سے عشری و خراجی کی تعیین کے سلسلہ میں عرض ہے کہ: جہاں تک ہمارے ملک کی زمینوں کی شرعی حیثیت کا تعلق ہے‘ چونکہ یہ معلوم نہیں کہ ان میں سے کون سی عشری اور کون سی خراجی ہے؟ اس لئے احتیاط اسی میں ہے کہ سب کو عشری قرار دے کر سب کا عشر ادا کیا جائے‘ اس لئے اگر زمین بارانی ہو کہ صرف ہل چلا کر بیج ڈال دینے پر فصل تیار ہوجائے تو اس کی آمدنی پر عشر ہوگا یعنی آمدنی کا دسواں حصہ دیا جائے گا اور اگر اس کے اوپر پانی‘ کھاد اور اسپرے وغیرہ کے دوسرے اخراجات آتے ہوں تو نصف عشر یعنی آمدنی کا بیسواں حصہ بطور عشر دیا جائے گا۔

۴:...... جہاں تک کاغذی نوٹ کی حیثیت کا تعلق ہے‘ اس سلسلہ میں عرض ہے کہ کاغذی نوٹ چونکہ عام طور پر اس سونے‘ چاندی کا بدل یا زرِضمانت ہوتے ہیں‘ جس کی بنیاد پر کاغذی نوٹ جاری کئے جاتے ہیں‘ اس لئے احتیاط اسی میں ہے کہ انہیں سونے کا بدل تصور کیا جائے اور ان کے عوض سونے‘ چاندی کی ادھار خرید و فروخت نہ کی جائے‘ جبکہ بعض دوسرے حضرات ان کو ثمن عرفی قرار دیتے ہیں‘ اس لئے اُن کے ہاں ان کا حکم زرِضمانت کا نہیں‘ لہٰذا اُن کے ہاں کاغذی نوٹوں کے عوض سونے‘ چاندی کی ادھار خرید و فروخت جائز ہے۔

آپ کا یہ فرمانا کہ: اس بارے میں کچھ نہیں پڑھایا جاتا‘ اس لئے نادرست ہے کہ میرے نزدیک یہ اضافی بحث ہے‘ تاہم اکابر نے اس پر مستقل تصنیفات فرمائی ہیں اور اکابر کے مطبوعہ فتاویٰ میں بھی اس کی تفصیلات موجود ہیں۔

میں سمجھتا ہوں کہ یہ ابتدائی طلبہ کے پڑھانے کی چیز نہیں‘ اس لئے کہ یہ ان کی ذہنی سطح سے اونچی چیز ہے‘ ہاں جو طلبہ تکمیلِ درسِ نظامی کے بعد فقہ میں تخصص کرتے ہیں‘ ان کو یہ موضوع بھی پڑھایا جاتا ہے اور وہ اس سے باخبر ہوتے ہیں۔

جس طرح دنیا کے دوسرے علوم و فنون میں ابتداءً اصول و کلّیات پڑھائے جاتے ہیں‘ اس کے بعد خاص خاص شعبوں میں تخصصات کرائے جاتے ہیں‘ ٹھیک اسی طرح یہاں بھی وہی اصول کارفرما ہے‘ مثلاً: جیسے ڈاکٹر بننے والوں کو پہلے ایم بی بی ایس کا کورس کرایا جاتا ہے‘ اس کی تکمیل کے بعد پھر طلبہ کی دلچسپی کے پیش نظر ان کے منتخب کردہ موضوعات‘ مثلاً: دل‘ دماغ‘ جگر‘ معدہ‘ سینہ‘ کان‘ ناک اور حلق کے امراض اور ان کی جراحی کے اصول و فروع میں تخصص کرائے جاتے ہیں‘ اور ایسا شخص اس شعبہ کا ماہر کہلاتا ہے‘ بالکل اسی طرح یہاں بھی وہی انداز اپنایا جاتا ہے کہ پہلے مطلقاً فقہی اصول و مبادیات کی تعلیم دی جاتی ہے‘ اس کی تکمیل کے بعد طلبہ کی دلچسپی کے پیش نظر حدیث‘ فقہ‘ دعوت و ارشاد‘ معاشیات اور اقتصادیات میں تخصصات کرائے جاتے ہیں‘ اس لئے کہ جو طالب علم نفسِ فقہ اور اس کے اصول و مبادیات سے ناآشنا ہو‘ اس کو ان مخصوص مسائل میں الجھانے سے کیا اس کا دماغ منتشر نہیں ہوگا؟

۵:...... آپ کا یہ ارشاد کہ: ”تفسیر میں صرف تفسیر عثمانی پر ہی کیوں اقتصار کیا جاتا ہے؟“ اس لئے ناقابل فہم ہے کہ تفسیر عثمانی درسِ نظامی اور وفاق المدارس کے نصاب میں شامل نہیں ہے‘ اگر کوئی مدرسہ یا کسی مدرسہ کا کوئی استاذ اس کو درساً پڑھاتا ہے تو یہ اس کا انفرادی عمل ہے‘ بہرحال مقصود تو نفسِ قرآن کریم کا ترجمہ و تشریح ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ اساتذہ اس تفسیر سے استفادہ کرتے ہیں اور طلبہ کو بھی اس تفسیر سے استفادہ کی ترغیب دیتے ہیں‘ اور ایسا کرنا اس لئے مناسب ہے کہ تفسیر عثمانی کے مطالعہ سے نفسِ

قرآن کریم سمجھ میں آجاتا ہے' لہٰذا تفسیر عثمانی کے مطالعہ کی ترغیب بھی اسی اصول کے پیش نظر ہے کہ طلبہ کو نفسِ قرآن کریم سمجھ میں آجائے' اور طلبہ غیر ضروری طویل لاطائل ابحاث میں نہ الجھیں' پھر جب نفسِ قرآن کریم سمجھ میں آجائے گا اور استعداد پیدا ہوجائے گی تو دوسری طویل و مبسوط تفسیروں سے استفادہ بھی آسان ہوجائے گا۔

اگر غور کیا جائے تو تفسیر عثمانی تمام متداول اردو تفاسیر کا اختصار و خلاصہ ہے۔ ارباب علم و دانش جانتے ہیں کہ تفسیر عثمانی ''دریا بکوزہ'' کا مصداق ہے' چنانچہ جو شخص پہلے تمام متداول عربی تفاسیر کا بغور مطالعہ کرے اور پھر تفسیر عثمانی کا مطالعہ کرے تو اسے اس کی ایک' ایک سطر' بلکہ ایک' ایک حرف کے مطالعہ سے اندازہ ہوگا کہ یہاں سے کس تفسیر کے کس قول' اعتراض یا اشکال کا جواب اور مختلف تفسیری اقوال میں سے کس قول کو ترجیح دی جارہی ہے۔

اس کے علاوہ بُرا نہ منائیں تو درسِ نظامی میں تین سال تک قرآن کریم کا ترجمہ اور تفسیر جلالین مکمل درساً پڑھائی جاتی ہے' جبکہ تفسیر بیضاوی کا ایک حصہ سبقاً پڑھا کر تفسیری انداز اور قرآن کریم کے علوم ومعارف سے بھی طلبہ کو روشناس کرایا جاتا ہے۔

آپ کا یہ ارشاد کہ قرآن و حدیث کی حقانیت کو سائنس سے کیوں ثابت نہیں کیا جاتا' آپ کی بچکانہ سوچ کا مظہر ہے' کیونکہ سائنس سے اگر قرآن وسنت کی حقانیت کو ثابت کیا جائے تو کیا آئے دن تبدیل ہونے والے سائنسی نظریات کی اقتداء میں قرآن و حدیث کے معانی و مفاہیم کو بھی بدلا جائے گا؟ اگر نہیں' تو پھر قرآن وسنت کی حقانیت کو سائنس کی ضرورت نہیں' ہاں سائنس قرآن وسنت کے تابع اور اس کی مدد ہے اور اکابر نے اس پر کام کیا ہے' حضرت مولانا شمس الحق افغانی قدس سرہ کی کتاب ''سائنس اور اسلام'' قابل مطالعہ ہے۔

۶:...... دینی مدارس میں منطق اس لئے پڑھائی جاتی ہے تاکہ انسانی دماغ کی گرہیں کھل جائیں' فکری غلطیوں سے حفاظت ہوجائے اور معاندینِ اسلام کے فکری مغالطوں کا جواب آسانی دیا جاسکے' پھر چونکہ قدیم وجدید دور کے ملاحدہ عقلیت پسند ہوتے ہیں اور عقلیات کو استعمال کرتے آئے ہیں' اس لئے عقلیت پسندی کے ان مریضوں کا علاج بھی اسی صورت میں ممکن ہوگا جب علماً کو اس فن سے مناسبت یا آگاہی ہوگی۔

اس سے ہٹ کر اکابر علمائے امت کی تصنیفات میں بھی چونکہ منطق وفلسفہ کی اصطلاحات موجود ہیں' لہٰذا جو شخص اس فن سے ناواقف ہوگا' وہ دوسروں کو سمجھانے کی بجائے خود ان علوم سے استفادہ نہیں کرسکے گا' لہٰذا جس طرح قرآن وسنت کی فہم کے لئے علم صرف' نحو' معانی' بدیع' بلاغت و بیان کا جاننا ضروری ہے' اسی طرح منطق کا جاننا بھی ضروری ہے۔ دیکھا جائے تو یہ بھی قرآن وسنت اور علوم نبوت کا خادم علم ہے' جس کی تعلیم نہایت ضروری ہے' پھر اکابر و اسلاف کی تاریخ کا مطالعہ کیجئے تو صاف نظر آئے گا کہ جن' جن اکابر نے منطق وفلسفہ پڑھا ہے' وہ اپنے' اپنے دور کے یگانہ روزگار تھے' اور انہوں نے کسی بھی میدان میں ناکامی کا منہ نہیں دیکھا' اس لئے چند سال پہلے تک ہمارے علماً اور طلبہ درسِ نظامی سے فراغت کے بعد ایک سال مستقل ''تکمیل'' کے نام سے ان فنون کو پڑھتے تھے' میرے خیال میں جو طلبہ ان فنون کی افادیت ولذت سے ناآشنا ہیں' وہی ان کی مخالفت کرتے ہیں' ورنہ یہ فن فہم وتفہیم دین میں بہت ہی مدد و معاون ہے' ہاں جو لوگ جس چیز سے ناآشنا ہوا کرتے ہیں' وہی ہی اس کے دشمن ومخالف ہوتے ہیں۔

۷:...... نحو کے ذریعہ فعل' فاعل' مفعول' مبتدا' خبر' شرط اور جزا کا پتا چلتا ہے' اگر اس کا پتا نہ چلے تو عربی عبارت کا معنی و مفہوم ہی صحیح طور پر واضح نہیں ہوگا۔ اگر مفعول کو فاعل یا فاعل کو مفعول بنادیا جائے تو آپ اندازہ لگائیں کہ کس قدر خطرناک حد تک معنی بدل جائے گا' مثلاً قرآن کریم کی سورۂ براۃ میں ہے کہ:

''بے شک اللہ اور اس کا رسول
مشرکین سے بَری ہیں۔'' (براۃ:۳)

اگر بالفرض کوئی نحو کا فن نہ جانتا ہو اور وہ خدانخواستہ ''وَرَسُوْلُہٗ'' کا عطف مشرکین پر ڈال کر اس کو مجرور یعنی وَرَسُوْلِہٖ پڑھے اور نعوذ باللہ! اس کا ترجمہ یہ کرے کہ: ''اللہ مشرکین سے اور اپنے رسول سے بری ہے'' تو وہ کس قدر تحریف کا مرتکب ہوگا' بلکہ قصداً ایسا پڑھنا بدترین کفر ہے' اس لئے نحو کی تعلیم پر زور دیا جاتا ہے تاکہ قرآن وحدیث کو سمجھنا آسان ہوجائے۔

آپ کا یہ فرمانا کہ دس سال تک تعلیم کے باوجود عربی تکلّم پر قدرت ہے' نہ انشاً پر' اس کے جواب میں عرض ہے کہ اکابر علماً نے علم صرف' نحو' ادب اور منطق کی متداول کتب' درسِ نظامی میں اسی غرض سے شامل کی تھیں کہ ان کو پڑھ کر' بلکہ ہضم کرکے قرآن' حدیث' فقہ اور عربیت پر قدرت حاصل ہوجائے' چنانچہ بعض حضرات ان سے کماحقہ استفادہ کرکے دین وشریعت اور علوم نبوت کے علاوہ عربی بول چال پر بھی قدرت حاصل کرلیتے ہیں' جبکہ میرے اور آپ جیسے کوتاہ ہمت' بدمحنت اور ناقص استعداد لوگ اپنی کمی' کوتاہی کو چھپانے کے لئے اس

پراعتراض کرتے ہیں‘ اس کو فضول جانتے ہیں اور اس پر توجہ نہیں کرتے تو اس کے کماحقہ ثمرات وبرکات سے محروم رہتے ہیں‘ ورنہ ہندوپاک کے وہ اکابر‘ جن کی عربیت‘ فصاحت اور بلاغت پر دنیائے عرب سردھنتی ہے‘ اور ان کے کلام کو خراجِ عقیدت پیش کرتی ہے‘ وہ انہی دینی مدارس کے فارغ وفاضل تھے‘ ان میں سے حضرت مولانا بدرعالم میرٹھی‘ حضرت مولانا محمد انورشاہ کشمیری‘ حضرت مولانا شبیراحمد عثمانی‘ حضرت مولانا اعزازعلی‘ حضرت مولانا ظفراحمد عثمانی‘ حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلوی‘ حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی‘ حضرت مولانا محمد یوسف بنوری‘ حضرت مولانا شمس الحق افغانی‘ حضرت مولانا سیّدابوالحسن علی ندوی‘ مولانا موسیٰ خان روحانی بازی‘ مولانا عبدالرشید نعمانی‘ مولانا عاشق الٰہی بلندشہری‘ مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار‘ مولانا وحیدالزمان قاسمی رحمہم اللہ تعالیٰ‘ ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر‘ مولانا ابوبکر غازی پوری‘ مولانا سیّدارشد مدنی‘ مولانا محمد تقی عثمانی‘ مولانا نور عالم خلیل امینی وغیرہ مدظلہم حضرات انہی مدارس کے پڑھے ہوئے ہیں‘ جن کی عربیت وعظمت کی دنیا معترف ہے۔ آپ بھی اسی شوق ولگن سے پڑھیں تو آپ بھی ان کے مقام پر پہنچ سکتے ہیں۔

کیا عصری اسکولوں میں پڑھنے والے تمام طلبہ مکمل انگلش بول سکتے ہیں؟ اگر نہیں‘ تو ان پر کیوں اعتراض نہیں؟ جہاں تک عربی بول چال کا تعلق ہے‘ یہ ماحول اور ممارست کی محتاج ہے‘ آپ بھی اس کی مشق کریں تو اچھے عربی انشاء پرداز ہوجائیں گے‘ چنانچہ ہمارے وہ طلبہ جو عرب جامعات میں پڑھنے جاتے ہیں‘ کیا وہ عربی لکھتے‘ بولتے نہیں؟

۸:...... آپ کا یہ فرمانا کہ ہمارے مدارس میں سوائے معتزلہ کے دوسرے فِرق کی تردید اور تقابلِ ادیان پر کچھ نہیں پڑھایا جاتا‘ اس سلسلہ میں دیکھا جائے تو ہماری قدیم کتب میں جن فتنہ پردازوں اور ان کے فتنوں کا تذکرہ ہے‘ آج بھی ان کے جانشین موجود ہیں‘ مگر ان کے نام اور شبہات کے انداز بدل گئے ہیں‘ معتزلہ ”اعتزال“ سے ہے‘ اور اعتزال کے معنی ہیں: جمہور سے الگ راہ اختیار کرنا‘ لہٰذا آج بھی جو شخص‘ یا فرقہ جمہور سے الگ راہ اختیار کرتا ہے وہ معتزلی ہے‘ معتزلہ بھی عقلیت پسند تھے اور آج بھی عقلیت پسندی کا دور دورہ ہے‘ لہٰذا عقلیت پسندی کی تردید آج کے دور کے عقلیت پسندوں کی تردید ہے۔

جہاں تک تقابلِ ادیان کا معاملہ ہے‘ بحمداللہ! ہمارے دینی مدارس میں اس کی بھی باقاعدہ تعلیم دی جاتی ہے‘ مگر ہر شئی کا ایک موقع‘ محل اور وقت ہوتا ہے‘ ہمارے اکابر فرماتے ہیں کہ: پہلے اپنا مسلک ومذہب سیکھو‘ بعد میں تردید باطل سیکھو‘ یہ تو کوئی عقلمندی نہ ہوئی کہ اپنا دین و مذہب اور مسلک و مشرب تو معلوم نہ ہو اور دوسروں کے پیچھے لٹھ لے کر دوڑنا شروع کردیا جائے‘ پھر تو وہی لطیفہ ہوگا جس طرح ایک جاہل نے کسی کافر کو ڈنڈا دکھا کر کہا کہ: پڑھو کلمہ‘ ورنہ قتل کردوں گا‘ جب ڈرے سہمے کافر نے کہا: کہ چلو پڑھا دو کلمہ‘ تو بیچارہ ڈنڈا بردار مارے شرم کے بغلیں جھانکنے لگا‘ اس لئے کہ خود اس کو بھی کلمہ نہیں آتا تھا‘ چنانچہ دل ہی دل میں کہنے لگا: اے کاش کہ! مجھے کلمہ آتا ہوتا تو آج ایک کافر مسلمان ہوجاتا۔

۹:...... یہ بھی آپ کی بے توجہی ہے کہ مدارس میں دس سال پڑھنے والا شہریت‘ جغرافیہ اور انگریزی سے نابلد ہوتا ہے‘ اس لئے کہ پہلے تو دینی مدارس کا موضوع ہی دین پڑھانا ہے‘ نہ کہ دنیا اور اس کے علوم۔ کیا کبھی کسی اسکول وکالج کے طالب علم سے بھی سوال ہوا ہے کہ ۱۶ سال پڑھنے کے باوجود آپ کو بنیادی اسلامی عقائد اور عربی سے ناآشنائی کیوں ہے؟

جبکہ بحمداللہ! ہمارے مدارس میں یہ دنیوی علوم اب باقاعدہ پڑھائے بھی جاتے ہیں‘ اس کے علاوہ دیانت داری کی بات یہ ہے کہ جو شخص دینی مدارس کے اس نصاب کو پڑھ لیتا ہے‘ اُسے یہ دنیوی علوم محض تھوڑی سی توجہ اور مطالعہ سے بآسانی حاصل ہوجاتے ہیں‘ اور ایسی کئی ایک مثالیں موجود ہیں‘ اگر یقین نہ آئے تو راقم کئی ایک مثالیں پیش کرسکتا ہے۔

۱۰:...... آپ کا یہ فرمان بھی ناقابلِ فہم ہے کہ:

الف:...... ”مدارس میں رائج اس نصاب کی وجہ سے مدارس کے فضلاء میں یہ خرابیاں ہوگئیں کہ: مدارس سے ایسا طبقہ پیدا ہوا جسے معاشرہ نے قبول نہیں کیا۔“ اس لئے کہ انہی مدارس سے فارغ ہونے والے علماً نے آج تک امت کی راہ نمائی کی ہے‘ اور ہندوپاک میں موجودہ دینی فضا اور دیانت داری کی ساری شکلیں انہیں علماً کی مرہونِ منت ہیں‘ ورنہ مصر اور دوسرے کئی عرب ممالک میں خود علماً دینی وضع قطع سے محروم ہیں‘ وہاں ستر وحجاب کا تصور معدوم ہے‘ کافروں اور مسلمانوں کی مستورات کے لباس میں عریانی کی حد تک مماثلت ہے‘ آج جس طرح ہندوپاک میں علماً پر مسلمان اعتماد کرتے ہیں‘ دوسرے کئی عرب ممالک کے علماً اس اعتماد سے یکسر خالی ہیں‘ یہی وجہ ہے کہ آج دینی مدارس اور ان کا خالص دینی ومذہبی نصاب ابنائے کفر کی نگاہ میں کھٹکتا ہے‘ اگر معاشرے نے ان کو قبول نہ کیا ہوتا تو معاشرہ ان کی تعلیمات کو کیوں اپناتا؟ اور معاشرے کی یہ اچھی حالت کیونکر ہوتی؟

بحمداللہ! ہندو پاک میں اس نصاب اور مدارس کی اس کارکردگی کا نتیجہ ہے کہ یہاں دینی مراکز

قائم ہیں' خانقاہیں آباد ہیں' تبلیغی جماعت اپنا کام کررہی ہے' قادیانیوں اور دوسرے لادینی طبقات کا ناطقہ بند ہے' مساجد و مدارس آباد ہیں' لوگوں کے چہروں پر سنت رسول کی شادابی ہے' خواتین ستر وحجاب سے مزین ہیں' دینی اسکول اور حفظِ قرآن کے مدارس میں لاکھوں مسلمان بچے تعلیم حاصل کررہے ہیں' اور بحمداللہ! کراچی ہی میں ماہانہ ڈھائی سے تین ہزار روپے فیس دے کر مسلمان اپنے بچوں کو حفظِ قرآن اور دینی وعصری تعلیم دلارہے ہیں' کیا اب بھی کہا جائے گا کہ معاشرے نے ان کو قبول نہیں کیا؟

ب:...... آپ کا یہ فرمان کہ:''مدارس دیہاتی اور چھوٹے طبقہ کے لئے محدود ہوگئے اور اہل ثروت کا مدارس کی طرف رجحان ختم ہوگیا'' کم ازکم میرے لئے ناقابل قبول ہے' اس لئے کہ بحمداللہ! مدارس میں اب ایک معقول تعداد ان بچوں کی ہے جو لکھ پتی نہیں' کروڑ پتی خاندانوں سے تعلق رکھتی ہے اگر اہلِ ثروت کا ان مدارس کی طرف رجحان ختم ہوگیا ہوتا تو یہ مدارس بند نہ ہوگئے ہوتے؟ حالانکہ ان مدارس میں سے متعدد ایسے بھی ہیں جن کا سالانہ میزانیہ کروڑوں کا ہے' آخر یہ فنڈ کہاں سے آتا ہے؟ یہ اہلِ ثروت کے مدارس کی طرف رجحان کی دلیل ہے یا رجحان کے ختم ہونے کی؟ آپ ہی فیصلہ فرمائیں؟

پھر اگر کچھ محروم القسمت ان مدارس کی طرف توجہ نہیں کرتے یا ان کو یہ نظام ناپسند ہے' تو اس میں اس دور کے اہلِ ثروت کی کیا تخصیص ہے؟ یہ طبقہ تو خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں بھی تھا' جو کہا کرتا تھا:

''جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اردگرد ہیں' ان پر خرچ نہ کرو' یہاں تک کہ تنگ آکر وہ آپ کو چھوڑ کر بھاگ جائیں۔'' (منافقون:۷)

آپ ہی ارشاد فرمائیں کہ کیا نعوذباللہ! یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نظام تعلیم کے نقص کی وجہ سے تھا؟ یا ان محروم القسمت کی شقاوتِ ازلی کی بدولت؟

پھر یہ امر بھی قابلِ لحاظ ہے کہ دین کا ساتھ دینے والے ہمیشہ کمزور اور نچلے طبقہ کے لوگ رہے ہیں' جبکہ اصحابِ ثروت الا ماشاء اللہ! ہمیشہ اس کے مخالف رہے ہیں' جیسا کہ قرآن کریم میں ہے:

''اور جب ہم نے چاہا کہ غارت کریں کسی بستی کو' حکم بھیج دیا اس کے عیش کرنے والوں کو' پھر انہوں نے نافرمانی کی اس میں' تب ثابت ہوگئی ان پر بات' پھر اکھاڑ مارا ہم نے ان کو اٹھا کر۔'' (بنی اسرائیل:۱۶)

میرے عزیز! غریبوں کا دین پڑھنا یا دین کو اپنانا اور مال داروں کا اس طرف توجہ نہ کرنا ان کے اپنے اختیار اور پسند وناپسند سے تعلق نہیں رکھتا' بلکہ یہ انتخاب' انتخابِ الٰہی ہے' اللہ تعالیٰ دراصل یہ دکھلانا چاہتے ہیں کہ میں چاہوں تو کمزوروں سے اپنے دین کا کام لے سکتا ہوں اور نہ چاہوں تو حکومت واقتدار اور ملک و مال کے مالک اصحابِ ثروت اور خاندانی شرافت سے متصف افراد کو اس سے محروم رکھ سکتا ہوں' اگر چاہوں تو کافروں کے گھرانوں سے انبیاء پیدا کردوں اور نہ چاہوں تو انبیاء کی اولاد کو اس نعمت سے محروم کرسکتا ہوں۔

غور کیا جائے تو اس میں بھی حکمتِ الٰہی کا یہ راز پنہاں نظر آتا ہے کہ کل کلاں کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ دین اسلام اس لئے پھیلا اور پھولا کہ اس کے پیچھے مال و دولت یا ملک و اقتدار کی قوت وشوکت تھی' بلکہ بتلایا گیا کہ دین و مذہب محض اللہ تعالیٰ کی حمایت و نصرت سے پھیلا کرتا ہے اور اس کی پشت پر بظاہر کوئی نہیں ہوتا۔

لہٰذا اس انتخاب الٰہی پر جہاں دین اور علم دین سے دور' اصحابِ ثروت کو اپنی محرومی پر افسوس کرنا چاہئے' وہاں دین دار غریبوں کو بارگاہ الٰہی میں سراپا تشکر وامتنان ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے دین کے باغ کی باغبانی کے لئے منتخب فرمالیا ہے' اس لئے کہ اللہ تعالیٰ قیامت تک اپنے اس دین کے باغ کے لئے پودے لگاتے رہیں گے' جو اس باغ کی سرسبزی وشادابی اور اس کی حفاظت وصیانت کے اعلیٰ مقصد کو پروان چڑھاتے رہیں گے' جیسا کہ ابن ماجہ میں ہے:

''اللہ تعالیٰ (قیامت تک) اس دین کے لئے پودے لگاتے رہیں گے اور انہیں اپنی طاعت کے کاموں میں استعمال فرماتے رہیں گے۔'' (ابن ماجہ ص:۳)

ج:...... آپ کا یہ ارشاد کہ:''علماً کے اندر سے تحقیقی کام کا ذوق ختم ہوتا چلا گیا۔'' اگرچہ منجملہ آپ کی بات درست ہے کہ اب پہلے کا سا ذوق علماً کے اندر بھی نہیں رہا' اور جیسی محنت و جدوجہد اور خلوص و اخلاص ہونا چاہئے تھا' اب ویسا نہیں ہے' لیکن اس کا یہ معنی بھی نہیں کہ اب علماً سرے سے کام ہی نہیں کررہے' کیونکہ بحمداللہ! اب بھی علماً حسبِ استعداد اور حسبِ ضرورت اپنی' اپنی بساط کے مطابق کام کررہے ہیں' اگر یہ علماً اپنا کام چھوڑ چکے ہوتے تو پوری دنیا کا کفر ان کا مخالف نہ ہوتا' کیونکہ لڑائی اور جنگ وہاں ہوتی ہے جہاں کسی سے اپنے مفادات کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو' جس سے واضح ہوتا ہے کہ دنیائے کفر کو مسلم

علمأ کی مساعی اور کاوشوں سے اپنے مفادات کو نقصان پہنچنے کا شدید اندیشہ ہے‘ اس کی ایک مثال افغانستان پر پہلے روس اور اس کے بعد امریکا کی یلغار ہے‘ اسی طرح عراق‘ شام‘ لبنان وغیرہ‘ اس کے علاوہ پوری دنیا میں علمأ کو ”دہشت گرد‘ مذہبی جنونی“ وغیرہ کے القابات اس لئے دیئے جاتے ہیں کہ علمأ امت دنیائے کفر کی ہاں میں ہاں ملانے کو تیار نہیں۔

جہاں تک تحقیقی کام کا تعلق ہے‘ تو سو نقائص کے باوجود آج بھی علمأ مختلف شکلوں اور مختلف عنوانات پر تحقیقی کام کررہے ہیں‘ چنانچہ ہندوپاک میں ایسی کئی ایک اکیڈمیاں اور ادارے وجود میں آچکے ہیں جو مسائل حاضرہ پر غور وفکر کرکے امت کی راہ نمائی کا فریضہ انجام دے رہے ہیں‘ مثلاً: مولانا مجاہدالاسلام قاسمی‘ مولانا محمد تقی عثمانی‘ مولانا سیّد اسعد مدنی‘ مولانا مفتی نظام الدین شامزی‘ مولانا سیّد نصیب علی شاہ وغیرہ ایسے کئی حضرات ہیں جنہوں نے مختلف سیمینار اور کانفرنسیں منعقد کرکے امت کو اس طرف متوجہ کیا اور جدید خطوط پر کام کرنے کی دعوت دی‘ اور اس سلسلہ کا جدید تحقیقی کام مختلف کتابوں کی شکل میں منظر عام پر آچکا ہے‘ جبکہ ”مجلس مسائل حاضرہ“ کے عنوان سے آپ کے کراچی میں مستقل ایک عنوان ہے‘ جس کے تحت علمأ اہل حق باہمی مشاورت سے جدید وگھمبیر مسائل پر امت کی راہ نمائی کا فریضہ انجام دیتے آئے ہیں‘ اس کے علاوہ اگر کسی عنوان پر تحقیقی کام کی ضرورت ہے اور علمأ اس سے غافل ہیں تو اس کی نشان دہی کی جائے۔

د:...... آپ کے ارشاد کہ: ”علمأ محدود ذہن کے ہوگئے“ کا اگر یہ معنی ہے کہ علمأ ہر وقت دین ومذہب کی بات کرتے ہیں‘ اس کے علاوہ وہ کوئی سوچ نہیں رکھتے‘ تو آپ کا ارشاد بالکل بجا ہے‘ کیونکہ ضابطہ یہ ہے کہ جو شخص جس عنوان پر محنت کرے گا‘ اس کے ذہن میں ہر وقت اسی کے تانے بانے ہوں گے‘ مثلاً: جیسے وکالت پڑھنے والا ہمیشہ وکالت کے بارہ میں سوچے گا‘ ڈاکٹر اپنی طب اور جراحت سے متعلق سوچے گا‘ لیکن اگر اس کا یہ معنی ہے کہ علمأ جمود پسند ہیں اور مسائل حاضرہ یا بین الاقوامی امور پر نہیں سوچتے‘ تو آپ کا ارشاد حالات‘ واقعات اور مشاہدات کی رو سے بداہتاً غلط ہے‘ کیونکہ ایسے کسی عالم دین کا نام نہیں بتلایا جاسکتا جو حالاتِ حاضرہ یا امت کی حالت زار سے بے خبر ہو‘ یا اس کے لئے فکرمند نہ ہو‘ یا اس کے سدباب کے لئے عملاً متحرک نہ ہو‘ یہ دوسری بات ہے کہ کسی کی حرکت نظر آتی ہے اور کسی کی نظروں سے اوجھل ہوتی ہے۔

ہ:...... جہاں تک حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب مدظلہ کے مکتوب کا تعلق ہے‘ اس میں انہوں نے مدارس کے طریقہ کار اور نصاب پر کوئی اشکال نہیں فرمایا‘ بلکہ انہوں نے ارباب مدارس اور علمأ کرام کو طلبہ کی ذہنی‘ فکری استعداد اور عملی قوت میں اضافہ اور نکھار پیدا کرنے کے لئے فرمایا ہے کہ طلبہ کو ان امور کی طرف توجہ دلائی جائے تاکہ ان سے افادہ اور استفادہ زیادہ سے زیادہ ہوسکے۔

ان کے مکتوب کی غرض یہ ہے کہ اگر ان طلبہ کی ان خطوط پر تربیت کی جائے تو وہ دوسرے میدانوں میں جانے کی بجائے مدارس‘ مکاتب میں تدریس کے علاوہ اصلاحِ امت کی غرض سے تبلیغی جماعتوں کے ساتھ چلنے اور نکلنے کو اپنی ضرورت سمجھیں گے‘ تو امت کو زیادہ نفع ہوگا۔

جبکہ موجودہ صورتِ حال یہ ہے کہ دینی مدارس سے فارغ ہونے والے ذی استعداد افراد‘ دوسرے میدانوں میں کھپ جاتے ہیں‘ کوئی اسکول و کالج میں چلا جاتا ہے‘ تو کوئی فوج وعدلیہ کا رخ کرتا ہے‘ کوئی تجارت کو اپنا پیشہ بنالیتا ہے‘ تو کوئی بیرون ملک چلا جاتا ہے‘ یوں ہماری محنت کا پھل اور ثمرہ دوسرے لوگ کھاتے ہیں اور ہماری محنت کا ثمرہ ہمیں کم اور دوسروں کو زیادہ ملتا ہے‘ گویا ان کے ارشاد کا مقصد یہ ہے کہ ہمارا خام مال اغیار کی بھٹیوں کا ایندھن نہ بنے‘ بلکہ ان میں کا ہر فرد مولانا محمد قاسم نانوتوی‘ مولانا رشید احمد گنگوہی‘ شیخ الہند مولانا محمود حسن‘ حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی تھانوی‘ شیخ الاسلام مولانا سیّد حسین احمد مدنی‘ مولانا محمد یوسف بنوری‘ مولانا مفتی محمود‘ مولانا غلام غوث ہزاروی‘ مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی‘ مولانا محمد الیاس کاندھلوی‘ مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی رحمہم اللہ تعالیٰ کا بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جانشین بن کر مدرسہ صُفّہ کے نظام کو چلانے والا بن جائے۔

برادر عزیز! یہ بھی شیطانی حربہ اور چال ہے کہ وہ طلبہ عزیز کے دلوں میں ایسے وساوس وشبہات ڈال کر دراصل انہیں اسلاف سے بدظن کرکے ان علوم سے محروم کرنا چاہتا ہے‘ چونکہ شیطان براہ راست تو طلبہ کو ان علوم کی تحصیل سے نہیں روک سکتا‘ اس لئے وہ ان علوم کو بے مقصد‘ لایعنی‘ عبث اور فضول قرار دے کر طلبہ کو ان کی تعلیم سے برگشتہ کرنا چاہتا ہے‘ یہی وجہ ہے کہ جن طلبہ کے دل ودماغ میں ان علوم یا کتب کی اہمیت نہیں ہوتی‘ وہ ان میں محنت بھی نہیں کرتے‘ اور وہ مسلسل ناکام ہونے کی وجہ سے غبی اور بد استعداد ہوجاتے ہیں اور رفتہ رفتہ مدارس سے ان کا جی بھر جاتا ہے‘ پھر ایک وقت آتا ہے کہ وہ دینی مدارس سے نکل کر دنیائے دنی کے پیچھے مارے مارے پھرتے ہیں۔
شیطان جانتا ہے کہ ایک عالم اس پر ہزار عابد سے زیادہ بھاری ہے‘ اس لئے وہ طلبہ کو علوم نبوت سے محروم رکھنے کے لئے طرح طرح کے حربے

باقی صفحہ 11 پر

اصلاح ظاہر و باطن اصل مقصود ہے

”یـا ایھـا الـذین آمنوا...... و یجعل اللّٰہ فیہ خیراً کثیراً۔“(نساء:۱۹)

آج اسی آیت سے متعلق مضمون بیان کرنا مقصود ہے۔ آج کا مضمون بالکل پھیکا ہے‘ مگر وعظ سے اصل مقصود دلچسپی نہیں ہوتی‘ بلکہ اصلاح ظاہرو باطن مقصود ہوتی ہے‘ اور اگر یہ بات حاصل ہو تو وعظ سننے کے قابل بھی ہے اورعمل کے قابل بھی ہے‘ اور اگر یہ بات نہ ہو تو وعظ نا قابل سماعت اورفضول ہے‘ اور اگر دونوں ہوں تو ہم خرما و ہم ثواب والی بات ہوگی۔

چنانچہ وعظ سننے سے اصل مقصود محض اصلاح ہونی چاہئے‘ اس میں لذت کا منتظر ہونا فضول بات ہے‘ آپ نے کسی کو نہ دیکھا ہوگا کہ اسے حکیم محمود خاں کے نسخے سے وجد ہوا ہو‘ہاں ذوق کے کسی شعر پر وجد ہوا ہوگا‘ لیکن اس وجد کی وجہ سے اس نے شعر سے علاج کیا ہو؟ کہ اس شعر کو سنا کرو‘ اس سے بیماری جاتی رہے گی:

”کہ داروئے تلخ است درفع مرض“

یعنی دوا بدمزہ ہوتی ہے‘ مگر اس سے مرض دور ہوتا ہے۔

ہاں! اگر کوئی شے لذیذ بھی ہو اور مرض دور کرنے والی بھی ہو‘ تو خوش قسمتی ہوگی‘ مگر لذت مقصود نہیں ہوتی‘ جہاں لذت رکھی جاتی ہے وہ محض بہلانے کو رکھی جاتی ہے‘ یہی وجہ ہے کہ ذکر میں ابتدا میں لذت ہوتی ہے‘ مگر بعد میں صرف فوائد رہ جاتے ہیں‘ اس پر ایک حکایت یاد آئی:

حضرت مولانا شاہ فضل رحمٰن صاحبؒ کے ایک مرید نے عرض کی کہ حضرت! اب تو ذکر میں لذت نہیں آتی۔ حضرتؒ نے فرمایا: پرانی بیوی اماں ہو جاتی ہے کہ اوّل اوّل تو اس میں لذت ہوتی ہے‘ مگر فوائد بعد میں بڑھتے ہیں کہ غم خوار‘ خدمت گزار ہوتی ہے۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ

بہر حال عقل والوں کے نزدیک اصل شے فوائد ہوتے ہیں‘ لذت نہیں۔ لہٰذا اگر مضمون میں چاشنی نہ ہو‘ تو پروانہ کیجئے۔

عورتوں کے حقوق:

آج کل لوگوں نے عورتوں کے حقوق سے بہت کوتاہی کر رکھی ہے‘ مثلاً: بچی کا نکاح بوڑھے سے کر دیتے ہیں۔ اس کا انجام یہ ہوتا ہے کہ اگر شوہر پہلے مر گیا تو لڑکی کی زندگی خراب ہو جاتی ہے۔ کہیں یہ ظلم ہوتا ہے کہ جوان عورت کا نکاح بچے سے کر دیتے ہیں۔

میاں بیوی میں ہم عمری کی رعایت:

یہاں ایک واقعہ ہوا اور ایک بزرگ کے آنے پر اس کا پتا چلا کہ یہاں ایک ایسا نکاح ہوا ہے کہ شوہر چھوٹی عمر کا اور بہو بہت بڑی عمر کی۔ میاں بیوی دونوں کی عمروں میں اتنا زیادہ فرق تھا کہ اگر اس عورت کے پہلوٹا لڑکا ہوتا تو شاید اس کے شوہر کے برابر ہوتا۔ مجھے یہ بات بہت ناگوار گزری‘ مگر یہ ناگواری عقلی طور پر تھی کہ اگر میاں بیوی کی عمروں میں مناسب تناسب ہو تو دونوں میں محبت و ہم آہنگی ہوتی ہے۔

قرآن پاک میں ہے:

”قاصرات الطرف اتراب“

ترجمہ:...... ”نیچی نگاہ والی عورت“

(سورۂ ص:۵۲)

حوروں کی ہیئت ایسی ہوگی جیسے ہم عمر ہوتے ہیں۔ دوسری آیت میں ہے:

”ہم نے اٹھایا ان عورتوں کو اچھے اٹھان پر‘ پھر کیا ان کو کنواریاں“ پیار دلانے والی“ ”ہم عمر۔“ (سورۂ واقعہ:۳۵‘۳۶)

غرض عمر کے بہت زیادہ فرق کی وجہ سے میاں بیوی کے درمیان اجنبیت اور غیریت ہوتی

ہے' آپ دیکھئے کہ بچے کو بچے سے جیسی محبت ہوتی ہے' بڑے سے نہیں ہوتی ہے۔ حضرت علیؓ کے دور کا لکھا ایک واقعہ دیکھا ہے کہ ایک لڑکا نالی میں گھس گیا' اس لڑکے کو نکالنے کی کوئی صورت نظر نہ آتی تھی' کیونکہ اسے بلاتے اور نکالنا چاہتے' وہ اندر ہی اندر گھسا جاتا' یہاں تک کہ اس بچے کے نیچے گر پڑنے کا اندیشہ ہوا' لوگ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ مسئلہ عرض کیا۔ آپؓ نے فرمایا کہ اسے کچھ مت کہو' ایک اور لڑکے کو اس کے سامنے بٹھا کر کھیل میں مشغول کرو' چنانچہ ایسا ہی کیا گیا' باہر بچے کو کھیلتا دیکھ کر نالی کے اندر بیٹھا بچہ بھی باہر نکل آیا اور اس کے ساتھ کھیلنے لگا۔

طبیب کی ہوشیاری:

ایک حکایت اور یاد آئی۔ دیوبند کے ایک طبیب بادشاہ کے ہاں امیدوار بن کر کئی دن رہے' مگر تقرر نہ ہوا' اس دوران چھوٹے شاہزادے نے روزہ رکھا' عوام میں روزے کا زیادہ اہتمام ہے' نماز کا نہیں ہے' حالانکہ نماز کے متعلق تو یہاں تک حکم ہے کہ اوّل کھڑے ہو کر پڑھو' کھڑے ہو کر نہ پڑھ سکو تو بیٹھ کر پڑھو' بیٹھ کر بھی نہ پڑھ سکو تو لیٹ کر اشاروں سے پڑھو' جب اشارے سے بھی نہ پڑھ سکو تو موخر کرو' مگر نماز معاف پھر بھی نہیں ہوئی' جب جسم میں طاقت آجائے گی تو ان نمازوں کو قضا کرنا پڑے گا' پھر سات برس کی عمر میں بچے کو نماز پڑھوانے کا اور دس برس کی عمر میں مار پیٹ کر نماز پڑھوانے کا حکم ہے' جبکہ روزے میں یہ خاص اہتمام نہیں ہے' بلکہ جب تحمل ہو تو روزہ رکھو اور روزے کا تحمل نہ ہو تو افطار کر لینا جائز ہے' پھر جب طاقت آجائے گی تو قضا لازم ہوگی اور طاقت نہ آئے تو فدیہ بھی دے سکتے ہیں' مگر لوگوں کو روزے کا ایسا شوق ہے کہ میں نے دیکھا کہ ایک جگہ چار برس کے بچے کو روزہ رکھوایا' ایک جگہ ذرا سی لڑکی کو روزہ رکھوادیا۔ اسی طرح بعض مرتبہ یہ روزہ ''روضہ'' (قبر) میں بھی لے جاتا ہے' ایک مرتبہ ایک رئیس زادے سے روزہ رکھوایا گیا' گرمی کے دن تھے' دوپہر تک تو بے چارے نے نباہا' مگر عصر کے وقت پیاس سے سخت پریشان ہوا' رئیس زادے کے باپ نے اپنے بیٹے کی روزہ کشائی کا بہت اہتمام کیا تھا' تمام خاندان اور دوستوں کی دعوت تھی' آخر رئیس زادے کو بہلایا کہ کچھ دیر اور ٹھہر جاؤ اور صبر کرو' مگر اس بے چارے کو تاب کہاں تھی' اس نے لوگوں کی خوشامدیں اور منتیں کیں' مگر کسی نے اسے ایک گھونٹ پانی بھی نہ دیا' آخر وہ رئیس زادہ خود اٹھا اور جا کر برف کے مٹکوں سے جا لپٹا کہ کچھ تو پانی سے قرب ہو' مٹکے سے لپٹتے ہی رئیس زادے کی جان نکل گئی' اس کا وبال اس کے بے رحم ماں باپ پر ہوا۔

صاحبو! شریعت کا حکم یہ ہے کہ اگر بالغ کی بھی جان نکلنے لگے تو روزہ توڑ دینا واجب ہے' مگر اہل رسوم کے نزدیک معصوم بچے کو بھی روزہ توڑنے کی اجازت نہیں۔ خدا کو ایسے روزے کی ضرورت نہیں ہے' خدا کو تم سے زیادہ تم پر رحمت ہے' بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی تم سے زیادہ تم پر شفقت ہے:

''النبی اولیٰ بالمؤمنین من انفسھم''

ترجمہ:......''مسلمان کو جتنا خیال اپنے نفس کا ہوتا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے زیادہ مسلمانوں کا لحاظ ہوتا ہے۔''

(سورۂ احزاب:۶)

تو جب مکلف کو یہ حکم ہے کہ ایسے وقت میں روزہ توڑ دے تو چار' پانچ برس کا بچہ کس شمار میں ہے؟ اس لئے میں کہا کرتا ہوں کہ شریعت میں اتنی سہولت و شفقت ہے کہ اتنی تم بھی اپنے ساتھ نہیں کر سکتے۔

بہرکیف بات بات چل رہی تھی شاہزادے کے روزہ رکھنے کی' شاہزادہ بھی روزے سے پریشان تھا' اطبا سے پوچھا گیا تو انہوں نے روزہ توڑنے کو کہا' بادشاہ کو یہ رائے پسند نہ آئی' کیونکہ سارا اہتمام خاک میں ملتا نظر آرہا تھا' افسوس! دین میں بھی دنیا ہی مقصود ہے' بچے کی جان جاتی ہے اور بادشاہ کو اپنے اہتمام کی فکر ہے۔ خیر اس وقت امیدوار طبیب نے کہا کہ میں ایک ترکیب بتاتا ہوں' آپ چند لڑکوں کو بلا کر حکم دیجئے کہ شاہزادے کے سامنے لیموں کاٹ کاٹ کر چوسیں' چنانچہ چند بچے بلائے گئے' انہوں نے شاہزادے کے سامنے لیموں چاٹنا شروع کئے تو شاہزادے کے منہ میں پانی بھر آیا' طبیب نے شاہزادے سے کہا کہ یہ پانی نگل لو! اس تدبیر سے شاہزادے کا حلق تر ہو گیا اور پیاس کم ہو گئی' بادشاہ کو بہت اطمینان ہوا اور اس طبیب کو اسی دن افسر الاطباء مقرر کر دیا گیا۔ اس حکایت میں میرا مقصد یہ ہے کہ عمر کی رعایت بہت ضروری ہے' خاص کر میاں بیوی میں۔ طبعی امر تو ہے ہی' مگر قدر شرعی بھی ہے اور شریعت بھی قابل التفات ہے۔

حضرت فاطمہؓ کا نکاح:

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کے لئے پہلے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پیغام دیا' پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے لئے پیغام بھجوایا' ان دونوں کو یہ شرف حاصل تھا کہ ان کی

صاحبزادیاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں تھیں اور چاہتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد ہونے کا شرف انہیں حاصل ہو جائے‘ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ کم سن بہت ہے۔

ان حضرات (حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ) کی عمر زیادہ تھی‘ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میاں بیوی کی عمروں کے فرق کی رعایت رکھ کر دونوں صاحبوں کی درخواست رد فرمادی‘ اس کے بعد ان دونوں حضرات نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مشورہ دیا کہ تم حضرت فاطمہؓ سے نکاح کی درخواست کرو‘ امید ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قبول فرمالیں گے‘ افسوس ہے کہ اس کے باوجود لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ صحابہؓ میں کشاکش تھی نعوذ باللہ **ذالک ظن الذین کفروا فویل للذین کفروا من النار** یعنی ہم اللہ کی پناہ مانگتے ہیں‘ یہ کافر لوگوں کے خیالات ہیں‘ پس بربادی ہے ان کافروں کے لئے وہ دوزخ میں جانے والے ہیں۔ (سورۂ ص:۲۷)

حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ نے خود حضرت علیؓ کو حضرت فاطمہؓ سے نکاح کے لئے رائے دی‘ کیا اسی کو عداوت کہتے ہیں؟ عداوت تو اس کو کہتے ہیں کہ یہ لوگ ایک دوسرے کے راستے میں رکاوٹ ڈالتے‘ نہ کہ خود مشورہ دیتے۔ چنانچہ حضرت علیؓ حاضر ہوئے‘ مگر چونکہ کم سن تھے‘ اس لئے ذرا شرمندہ ہوئے اور زبان سے کچھ کہہ نہ سکے‘ مگر دیکھو‘ خبردار! شیخین پر کبھی یہ اعتراض نہ کرنا کہ (نعوذ باللہ) بے حیا تھے‘ یہاں تو معاملہ صرف بیٹی مانگنے کا تھا‘ بعض مرتبہ تو باپ نے خود اپنی بیٹی کے لئے پیام دیا ہے‘ لہٰذا جب حضرت حفصہؓ پہلے شوہر سے بیوہ ہوئیں تو حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت عثمان غنیؓ سے کہا کہ میری بیٹی حفصہؓ بیوہ ہوگئی ہے‘ اس سے تم نکاح کرلو‘ بات یہ ہے کہ وہاں ہندوستان کی سی رسم نہ تھی کہ باپ کا خود بیٹی کے لئے رشتے کا کہنا حرام سمجھتے ہوں‘ حضرت عثمان غنیؓ نے کہا کہ میں سوچ کر جواب دوں گا‘ چنانچہ انہوں نے عذر کردیا‘ اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ سے حضرت عمر فاروقؓ نے کہا کہ حفصہؓ بیوہ ہوگئی ہے‘ اس سے آپ نکاح کرلیجئے‘ انہوں نے بھی وہی جواب دیا کہ سوچوں گا‘ پھر کوئی جواب نہ دیا۔ آخر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت حفصہؓ کے لئے پیغام آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کردیا‘ بعد میں حضرت عمرؓ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ ملے‘ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے کہا کہ میرے کچھ جواب نہ دینے پر آپ خفا ہوگئے ہوں گے؟ بھائی! ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حفصہؓ کا ذکر فرماتے ہوئے سنا تھا‘ اس لئے خاموش ہوگئے کہ نہ خود قبول کرسکتے تھے اور نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا راز ظاہر کرسکتے تھے‘ صاف جواب دینے میں شبہ تھا کہ تم کہیں اور منظور نہ کرلو۔

غرض عرب میں ایسی بے تکلفی تھی کہ باپ اپنی بیٹی دیتے ہوئے نہیں شرماتا تھا‘ بلکہ خود عورتیں آکر عرض کرتیں کہ یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! ہم سے نکاح کرلیجئے‘ ایک مرتبہ حضرت انسؓ کی لڑکی نے کہا کہ یہ عورت کیسی بے حیا تھی؟ حضرت انسؓ نے کہا کہ تجھ سے اچھی تھی کہ اس نے اپنی جان‘ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہبہ کردی‘ غرض عرب میں یہ کوئی عیب نہ تھا۔

میرا یہ مطلب نہیں کہ ہم بھی ایسا ضرور کریں‘ لیکن اگر کوئی ایسا کرے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے‘ باقی اگر کوئی شرم وحیا سے ایسا نہ کرے تو وہ کوئی فرض نہیں چھوڑ رہا‘ اور شرم وحیا تو کم وبیش لڑکوں میں بھی ہونی ضروری ہے کہ یہاں بہت سے فتنے پھیل رہے ہیں اور ان سب کا انسداد حیا سے کیا جاسکتا ہے‘ اور حیا کی روزبروز کمی ہوتی جارہی ہے‘ جس قدر حیا ہم نے اپنی ابتدائی عمر میں لڑکوں میں دیکھی ہے‘ اب لڑکیوں میں بھی دیکھی نہیں جاتی‘ اور اب بھی جس قدر بوڑھوں میں ہے‘ وہ نوجوانوں میں نہیں‘ حیا کی اس کمی کی وجہ سے خرابیاں بڑھتی جاتی ہیں‘ اس لئے کم وبیش حیا کا ہونا بہت ضروری ہے۔

خیر! حضرت علیؓ آکر چپ بیٹھ گئے اور شرم کی وجہ سے زبان نہ ہلا سکے‘ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے خبر ہوگئی ہے‘ تم فاطمہؓ کا پیغام لے کر آئے ہو‘ سو مجھ سے حضرت جبرائیل علیہ السلام کہہ گئے ہیں کہ خدا کا حکم ہے کہ علیؓ سے فاطمہؓ کا نکاح کردیا جائے۔ چنانچہ منگنی ہوگئی‘ مگر ایسے نہیں کہ لال ڈوری ہو‘ کوئی جوڑا ہو‘ مٹھائی تقسیم ہو‘ آج لوگ کہتے ہیں کہ منگنی میں یہ باتیں ہونے سے منگنی میں پختگی ہوجاتی ہے۔

صاحبو! میں نے غیر پختہ منگنی جڑتے ہوئے اور پختہ منگنی ٹوٹتے ہوئے اپنی آنکھوں سے دیکھی ہے‘ اس لئے یہ سب اوہام ہیں کہ اس طرح پختگی ہوتی ہے‘ اگر ایسا ہو تب بھی ہم کو وہ کرنا چاہئے جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔

کھانے میں اتباع:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا اہتمام تھا کہ انہوں نے کھانے کی احادیث ضبط کی ہیں‘ مثلاً:

’’انی اکل کما یأکل العبد‘‘

کہ میں تو اس طرح کھاتا ہوں جس طرح غلام کھاتا ہے‘ سوتم بھی ایسے ہی کھاؤ جیسے غلام کھاتا ہے۔ دیکھو! ہم سب خدا کے غلام ہیں اور ہر وقت خدا کے سامنے ہیں‘ تو اس طرح کھانا چاہئے جیسے آقا کے سامنے غلام‘ حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اکڑوں (گھٹنوں کے بل) بیٹھ کر کھانا کھاتے تھے‘ اس انداز میں بھی بڑی مصلحت ہے کہ پیٹ رانوں سے مل کر دب جاتا ہے تو کھانا حد سے زیادہ نہیں کھایا جاسکتا‘ جس سے پیٹ بھی نہیں بڑھ سکتا جیسا کہ بعض لالچی لوگوں کا پیٹ بڑھ جاتا ہے‘ ایک پیر صاحب تھے‘ ان کا پیٹ بہت بڑھ گیا تھا‘ ایک مرید نے کہا کہ اس کا کیا سبب ہے؟ فرمایا کہ کتا مر کر پھول جاتا ہے اور میرا نفس بھی چونکہ مر چکا ہے‘ اس لئے پھول گیا ہے‘ غرض بہت سے لوگ پھولتے ہی چلے جاتے ہیں۔ شریعت کو اعتدال مطلوب ہے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ اکڑوں بیٹھ کر کھاؤ‘ اکڑوں بیٹھنے میں تواضع اور انکسار بھی ہے۔ بعض لوگ فرعون کی طرح بیٹھ کر کھاتے ہیں‘ ایک بزرگ سے میں نے حکایت سنی کہ انہوں نے ایک رئیس زادے کو دیکھا کہ وہ گاؤ تکیہ لگائے ہوئے کھانا کھا رہے تھے‘ سینے پر ایک رومال پڑا ہوا تھا تاکہ شوربا وغیرہ گرے تو کپڑے خراب نہ ہوں‘ کچھ تو وہ موٹے بہت تھے اور کچھ تکبر بھی بہت کرتے تھے‘ بعض لوگ اس قدر موٹے ہوجاتے ہیں کہ عظیم آباد میں ایک رئیس کو استنجا نوکر کراتے تھے:

مکن رحم برمرد بسیار خور
کہ بسیار خور است بسیار خوار
نہ چنداں بخور کز دہانت برآید
نہ چنداں کہ از ضعف جانت برآید

ترجمہ:...... ’’زیادہ کھانے والے آدمی پر رحم نہ کرو‘ کیونکہ زیادہ کھانے والا ذلیل ہوتا ہے‘ نہ تو اتنا زیادہ کھا کہ تیرے منہ سے نکلنے لگے اور نہ اتنا کم کھا کہ کمزوری سے تیری جان نکلنے لگے۔‘‘

غرض اکڑوں بیٹھنے میں مصلحت یہ ہے کہ کھانا زیادہ نہ کھایا جائے‘ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ یہ تھی کہ جلدی جلدی کھانا کھاتے تھے‘ آج کل یہ سمجھا جاتا ہے کہ جو جلدی کھائے‘ وہ لالچی ہے‘ ذرا بتاؤ اگر کسی نوکر کو اس کا آقا کوئی چیز دے تو اس کی قدر کرو گے یا بے قدری؟ یقیناً قدر کرو گے اور ظاہر بھی کرنا چاہو گے کہ ہمیں اس کی قدر ہے‘ تو کیا خدا کی دی ہوئی چیز قدر کے قابل نہیں؟ اور کیا قدر کا یہ طریقہ ہے کہ نزاکت کے ساتھ آہستہ آہستہ کھایا جائے؟ جس سے دیکھنے والا یہ سمجھے کہ بھوک نہیں یا رغبت نہیں؟ یا یہ طریقہ صحیح ہے کہ خوب جلدی جلدی اس پر جھک کر کھایا جائے؟ جس سے معلوم ہو کہ بڑا ہی شائق ہے اور اس کو کھانے سے بہت ہی رغبت ہے؟

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانے کی قدر کی اور اس کے لئے خود کو محتاج ہونا اپنے عمل سے ظاہر کیا‘ اور قول سے بھی کہ کھانے کے بعد کی جو دعا ہے اس میں فرمایا‘ یعنی اے ہمارے رب ہم اس کھانے سے مستغنی نہیں‘ عمر بھر حاجت رہے گی۔

ہدیہ لینے کا ادب:

یہاں ایک اور ادب کی بات بتاتا چلوں‘ آج کل یہ چلن عام ہوگیا ہے کہ جب پیروں کے سامنے لاکر کچھ پیش کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ آپ کو اس کی کیا ضرورت ہے‘ مگر جی چاہا اس لئے یہ ہدیہ لیتا آیا اور پیر اس سے خوش ہوتے ہیں‘ حالانکہ ان کو اس وقت اپنی ضرورت ظاہر کرنی چاہئے۔ صاحبو! یہ استغنا اور بے نیازی محض پیٹ بھرائی ملنے کی وجہ سے ہے‘ ذرا ایک وقت کھانے کو نہ ملے تو پھر دیکھئے پیر صاحب کا استغنا دھرا رہ جائے گا‘ انسان کو نہ ایسا استغنا کرنا چاہئے کہ خدا کی دی ہوئی نعمتوں سے بھی استغنا کرنے لگے اور نہ ایسا لالچی ہو کہ ’’اشعب طماع‘‘ بن جائے۔ حضرت مولانا گنگوہی قدس سرہ‘ فرمایا کرتے تھے کہ آج کل تو پیروں کی یہ حالت ہے کہ جہاں مرید نے سر کھجایا‘ سمجھے کہ پگڑی سے روپے نکال کر دے گا۔

’’اشعب طماع‘‘ عرب میں ایک بڑا ہی لالچی شخص گزرا ہے‘ اسے ایک مرتبہ لڑکوں نے چھیڑا تو ٹالنے کی غرض سے کہنے لگا کہ دیکھو فلاں جگہ کھانا پک رہا ہے‘ وہاں جاؤ‘ لڑکے اس طرف کو ہولئے تو خود بھی ان کے پیچھے پیچھے ہولیا کہ شاید یہ بات سچ ہی ہو‘ جو اتنے لڑکے اس طرف جا رہے ہیں۔

آج کل بعض کی یہی حالت ہے اور بعض کو اگر استغنا ہوا ہے تو اتنا استغنا کرتے ہیں کہ جہاں شریعت حکم دے وہاں بھی استغنا برتتے ہیں‘ ہماری تو یہ حالت ہے کہ:

چوں گرسنہ می شوی سگ می شوی
چونکہ خوردی تند و بدرگ می شوی

ترجمہ: ’’جب تو بھوکا ہوتا ہے‘ کتے کی طرح خوشامد کرتا اور دم ہلاتا ہے‘ پیچھے پیچھے پھرتا ہے اور جب پیٹ بھر جاتا ہے تو سخت طبیعت اور سرکش ہوجاتا ہے۔‘‘

بہرحال استغنا عن اللہ کوئی چیز نہیں ہے۔ خدا کا رزق قابل استغنا نہیں‘ اسی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قول و فعل دونوں سے ظاہر فرمایا ہے۔

☆☆............☆☆

تھر کی ڈائری

مبلغین ختم نبوت کا تبلیغی و مطالعاتی دورہ

مولانا محمد نذر عثمانی

ریت کے ٹیلے اور پہاڑ جہاں سے شروع ہوں سندھ میں اسے تھر پارکر کا علاقہ کہا جاتا ہے' نوکوٹ شہر صحرائے تھر کے دروازے پر آخری شہر ہے یہاں پر ترقی کے عمل سے پہلے جو گاڑیاں چلا کرتی تھیں اسے کیکڑا کہا جاتا تھا۔ ریت کے ٹیلوں اور پہاڑوں' وادیوں کو کراس کرنا اسے کیکڑا کا کام تھا' نوکوٹ شہر کے متصل کئی سو سال پرانا نوکوٹ کا قلعہ ہے جو یہاں سے گزرنے والوں کو اپنی طرف ضرور متوجہ کرتا ہے۔

صحرائے تھر کا ضلعی مقام مٹھی ہے' جہاں پر الحمدللہ مساجد و مدارس احسن انداز سے کام کر رہے ہیں' اس علاقہ کو قادیانیوں نے ٹارگٹ قرار دیا ہوا ہے' اسی مٹھی شہر میں ۱۱۶ ایکڑ پر مشتمل قادیانیوں کا المہدی ہسپتال ہے جو کہ فلاحی کام کی آڑ میں قادیانیت کی تبلیغ کے لئے استعمال ہو رہا ہے' کراچی کی معروف علمی شخصیت اور الاختر ٹرسٹ کے چیئرمین حضرت حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم نے اس فتنہ کی سرگرمیوں کو محسوس فرماتے ہوئے علاقہ تھر اور خصوصاً مٹھی شہر میں ہسپتال' گشتی شفاخانہ اور ایمبولنس کے قیام کا فیصلہ فرمایا' لیکن ہسپتال مٹھی میں قائم ہونے کے بجائے نوکوٹ شہر میں تعمیر ہوا' جہاں پر یہ اپنے مقاصد کے حصول میں ناکام ہے' کیونکہ نوکوٹ شہر میں اور بھی سرکاری و پرائیویٹ ہسپتال موجود ہیں' لیکن جہاں پر قادیانی اپنے گمراہ کن عقائد کو پھیلانے کے لئے بطور ہتھیار کے ہسپتال کو استعمال کر رہے ہیں' اگر یہ ہسپتال اسی شہر میں ہوتا تو مسلمانوں کے ایمان اور عقائد کو بچانے کے لئے معاون ثابت ہوتا' اسلام کوٹ سے تقریباً ۳۵ کلومیٹر کے فاصلے پر صحرائے تھر سے نکلنے والے کوئلے کے ذخائر موجود ہیں' جن پر چین کے تعاون سے کام ہو رہا ہے' اسلام کوٹ سے ننگر پارکر کا سفر انتہائی مشکل اور تکلیف دہ ہوتا تھا' آج سے ایک سال قبل راقم نے اپنے برادر مبلغ مولانا محمد علی صدیقی کے ہمراہ ننگر پارکر کا سفر کیا تھا جو کہ تقریباً آٹھ گھنٹوں پر مشتمل تھا' گرمی کی شدت کے ساتھ ساتھ اگر کیکڑا کی چھت پر سفر کرنا پڑے تو کیا ہی کہنا' دو گھنٹہ سفر کے بعد موسلادار بارش نے گرمی کی شدت کو موسم بہار میں تبدیل کر دیا' لیکن آج اسلام کوٹ سے ننگر پارکر تک پختہ سڑک بن چکی ہے' اب یہ سفر تقریباً ۴ گھنٹہ کا ہے۔

ننگر پارکر پاکستان کا بارڈر کے قریب آخری شہر ہے' بارڈر کے اس پار راجھستان کا علاقہ شروع ہوتا ہے' ننگر پارکر شہر کی آبادی تقریباً پانچ ہزار نفوس پر مشتمل ہے' جن میں زیادہ تر ہندو برادری کے لوگ ہیں' اس شہر میں پاکستان رینجرز کا ہیڈ کوارٹرز بھی موجود ہے' بدقسمتی سے تھر کے دیگر شہروں کی طرح قادیانی' عیسائی اور دیگر این جی اوز نے اس شہر کو بھی گھیرے میں لے رکھا ہے' مٹھی شہر کے المہدی ہسپتال کی طرح یہاں پر بھی قادیانیوں نے دس ایکٹر زمین اسی مقاصد کے لئے حاصل کی ہوئی ہے جو کہ رینجرز ہیڈ کوارٹرز سے متصل ہے' چند قدم آگے عیسائیوں نے پانچ ایکڑ پر اپنا ہیڈ کوارٹرز بنانے کے لئے قبضہ کیا ہوا ہے' یہاں پر رہنے والے قادیانی مقامی نہیں بلکہ پنجاب کے دور دراز علاقوں سے یہاں پر قادیانیت کے ارتداد کو پھیلانے کے لئے آئے ہوئے ہیں' مسلمانوں کی تعداد کم اور غربت زیادہ ہے۔ بچوں کو تعلیم دیں یا کھانا؟ ان کے لئے سب سے اہم سوچ کھانا ہے' ننگر پارکر کے پولیس اسٹیشن کے بالمقابل جامع مسجد سلمہ جسے سعودی عرب کے ممتاز ادارے ہیۃ الغاثۃ اسلامیہ العالمیہ نے ۲۰۰۳ء میں تعمیر کیا' عبدالعزیز عبدالرحمٰن بن سلمہ کے نام پر تعمیر شدہ مسجد سلمہ اس علاقہ کے غریب مسلمانوں کے لئے انمول تحفہ ہے' جمعیت خدام القرآن نے مسجد سلمہ کے متصل ایک مدرسہ قائم کیا ہے' جس میں علاقہ کے غریب مسلمانوں کے بچے دینی تعلیم حاصل کر رہے ہیں' ایک مدرسہ الرشید ٹرسٹ کراچی نے بھی قائم کیا ہے' وہ بھی قرآنی علوم کی اشاعت میں اپنا کردار ادا کر رہا ہے۔

ننگر پارکر شہر میں قادیانیوں نے اپنا مرکز قائم ہوا ہے' اس کا انچارج ایک قادیانی مربی ہے' ننگر پارکر شہر کے قریب ایک پانچ سو سالہ قدیم چھوٹی مسجد ہے جو کہ مغلیہ خاندان کی برصغیر میں بنائی جانے والی مساجد کی طرز پر ہے' بوڈیسر گاؤں جو کہ کوھی' بھیل' ہندو برادری کی آبادی والا گاؤں ہے' مسجد کے قریب

کسی مسلمان کا گھر نہیں ہے' یہ مسجد محمود شاہ بن مظفر شاہ بن غیاث الدین گجرات کے حاکم نے ۱۵۰۵ء بمطابق ۸۸۰ھ میں تعمیر کرائی' اس مسجد کے تین گنبد ہیں' محراب چورس بنا ہوا ہے' بڑے پتھروں کو مسجد کی تعمیر کے لئے استعمال کیا گیا ہے' مسجد کے اندر والے کونے میں ایک تختی پر: "وان المساجد لله فلا تدعو مع الله احدا" بتاریخ از ہفتم از ماہ رمضان المبارک مرقوم ہے جو بہت مشکل سے پڑھنے میں آتا ہے' مسجد کے درمیانی گنبد پر کسی صاحب نے تاجدار ختم نبوت زندہ باد کا نعرہ لکھ دیا ہے جو ہر آنے والے کو صاف دکھائی دیتا ہے۔ مسجد کی تعمیر کے حوالے سے گفتگو کرتے ہوئے ارباب نیک محمد اور ولی محمد کھوسو نے بتایا کہ محمود شاہ اپنے پچاس ہزار کے لشکر کے ساتھ صحرائے تھر سے گزر رہا تھا' اس لشکر کو راستہ کی نشاندہی کرنے والا ایک ہندو تھا جسے مسلمانوں کے ساتھ انتہائی شدید قسم کا بغض تھا' وہ لشکر کو اپنے راستہ سے یہاں تک لے کر آیا کہ جس کے آس پاس پچاس میل تک پانی کا نام ونشان تک نہ تھا' لشکر کے پاس پانی کا ذخیرہ ختم ہوگیا تو اس ہندو نے فاتحانہ انداز میں قہقہہ لگاتے ہوئے بادشاہ محمود کو مخاطب کر کے کہا: آپ اور آپ کا پورا لشکر اس صحرا میں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر ہلاک ہوگیا۔ بادشاہ محمود نے اس ہندو کو گرفتار کر کے ایک درخت کے ساتھ باندھنے کا حکم دیا اور تمام لشکر میں یہ اعلان کرادیا کہ تیمم کر کے نماز استسقاء ادا کی جائے' بادشاہ نے خود امامت فرمائی اور بارگاہ لم یزل میں گریہ وزاری کے ساتھ بارش کی دعا کی' روایات میں ہے کہ بادشاہ دعا ختم کر کے فارغ ہوا تو آسمان بادلوں سے ڈھک گیا' خوب بارش ہوئی' صحرائے تھر جل تھل ہوگیا' لشکر نے پانی خود بھی استعمال کیا اور اپنے جانوروں کو بھی پانی پلایا' بادشاہ نے اللہ تعالیٰ کی کرم نوازی پر بطور شکریہ کے یہاں پر مسجد تعمیر کرائی اور اس ہندو کا سر قلم کرنے کے احکامات جاری کئے۔ مسجد کے مشرقی جانب ایک بہت پرانا مندر بھی ہے جسے مبین کا مندر کہا جاتا ہے اور وہ غیر آباد ہے' کیونکہ اس کے پجاری تقسیم کے وقت انڈیا منتقل ہوگئے تھے' مسجد اس وقت محکمہ آثار قدیمہ کی تحویل میں ہے۔

ننگر پارکر کے علاقہ میں زیر زمین ایسی سفید مٹی نکلتی ہے' جس سے چینی کے برتن بنائے جاتے ہیں' اس مٹی کو صاف کرنے کے یہاں پر دو تین کارخانے بھی لگائے گئے ہیں۔

ننگر پارکر شہر اور اس کے ملحقہ علاقوں میں گرے نائٹ پتھر کے پہاڑ ہیں جو کہ نہایت قیمتی پتھر ہے صحرائے تھر کے بارڈر کے قریب کا علاقہ جس میں قادیانی سرگرمیاں جاری ہیں' ان میں کاسبو' پھول پورہ' کوہڑہ' سورہ چند' حباسر' سندھیوں کا واانڈھیا' ساانڈورس قابل ذکر ہیں' مجلس تحفظ ختم نبوت انتہائی مشکلات کے باوجود ایسے دور دراز علاقے کے مسلمانوں کے ایمان کی حفاظت کے لئے مصروف عمل ہے' اس علاقہ میں دعوت وتبلیغ کے کام کی بھی انتہائی ضرورت ہے' ڈانو داندل ایسا علاقہ ہے جہاں پر کثرت سے مور پائے جاتے ہیں' آپ اس گوٹھ کے قریب پہنچے پر جس طرف بھی نگاہ اٹھائیں گے' آپ کو ہر طرف مور ہی مور نظر آئیں گے۔ صحرائے تھر کی شادابی بارش پر منحصر ہے' بارش ہونے کے بعد ہر طرف سبزہ ہی سبزہ ہوتا ہے' چرند پرند کے لئے وہ خوشی کے دن ہوتے ہیں' اور اگر بارش نہ ہوتو علاقہ کے لوگ خشک سالی کا شکار ہوجاتے ہیں جو کہ نہ صرف انسانوں کے لئے بلکہ جانوروں کے لئے بھی تکلیف کا وقت ہوتا ہے' اسلام کوٹ سے چھاچھرو کی طرف سفر کرتے ہوئے معلوم ہوا کہ گزشتہ رات یہاں خاصی بارش ہوئی ہے' تھر کے باسیوں کے چہرے پر بارش آنے کی خوشی کے آثار نمایاں تھے' چھاچھرو سے ہمارا یہ وفد واپس حیدرآباد کے لئے روانہ ہوگیا۔

☆☆..........☆☆

حضرت شاہ محمد اسمٰعیل شہید کے بچپن کا واقعہ

حضرت شاہ محمد اسمٰعیل رحمۃ اللہ علیہ کے بچپن کا واقعہ ہے گھر کی خادمہ آپ کو اٹھائے پھر رہی تھی' اس سے اندازہ کرلیں کہ کتنی عمر ہوگی بالکل کم سن بچے تھے لیکن گھر کے پاکیزہ ماحول اور بڑوں کی تربیت کا اثر تھا کہ سامنے ایک شخص آ گیا جو ہاتھ میں کتا لئے جا رہا تھا' معصوم بچے نے اسے ٹوکا کہ یہ کتا کیوں لئے پھرتے ہو؟ وہ بولا اس میں کون سا گناہ ہے؟ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث سنائی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جہاں کتا ہو وہاں فرشتہ نہیں آتا' رحمت کا لفظ نہیں کہا صرف فرشتہ کہا' بعض احادیث میں ایسا بھی آیا ہے لیکن مراد رحمت کے فرشتے ہیں' آگے سے وہ احمق بولا: اسی لئے تو یہ کتا پالا ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے نہ کبھی فرشتہ آئے گا' نہ میں مروں گا' اس شیطان کے بندے نے اپنے خیال میں مدلل جواب دیا کہ فرشتہ کبھی آئے گا ہی نہیں تو مروں گا کہاں سے؟ لیکن آگے سے معصوم بچے کا جواب بھی سنئے' بات یہ ہے کہ دل میں اللہ تعالیٰ کی سچی محبت ہو تو کم سنی میں بھی عقل کامل ہوجاتی ہے اور گناہوں کی نحوست سے بڑوں پر بھی پردہ پڑ جاتا ہے۔ شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ اگر یہی بات ہے تو ایک دن اس کتے نے بھی تو مرنا ہے' بس جو فرشتہ اسے مارنے آئے گا وہ تیری روح بھی قبض کرے گا گویا تو کتے کی موت مرے گا۔ (از اللہ کے باغی مسلمان' مرسلہ: قاضی محمد اسرائیل گڑنگی)

Regd No. SS-160

میرا پیارا مرکزِ روحانی دارالعلوم دیوبند مرکزِ عالی

حضرت مولانا منظور احمد نعمانی دامت برکاتہم
جامعہ احیاء العلوم ظاہر پیر ضلع رحیم یار خان

تمنا تھی میرے دل میں کہ دیکھوں دیوبند اپنا
میرا مرکز ہے روحانی میری دھرتی پیاری ہے

میرے اسلاف نے جس کی بنا ڈالی تھی تقویٰ پر
بفرمانِ رسول اللہؐ عجب بنیاد ڈالی ہے

ہوئے پیدا اسی مرکز سے عارف کامل و افقہ
مفسر ہم محدث اب تلک فیضان جاری ہے

سیاست دان ارباب بصیرت دین کے حامی
جنہوں نے کفرِ مغرب پر لگائی ضربِ کاری ہے

رشید احمدؒ، محمد قاسمؒ و محمود شیخ الہندؒ
یہ بانی ہیں گلستاں کے انہیں سے رہنمائی ہے

شہ انورؒ، حسین احمدؒ سے گلشن میں بہار آئی
عبید اللہ سندھیؒ کی سیاست رنگ لائی ہے

محمد طیبؒ قاری نے چمکایا تھا گلشن کو
محمد اسعد مدنیؒ سے ہوئی آب یاری ہے

تمنا ہوگئی پوری دلِ مضطر کی یاں آکر
کئے قربان جان و دل لگائی خوب یاری ہے

درودیوار کو چوما میرے قلب پریشاں نے
میری چشم مودّت سے ہوئی اب اشکباری ہے

نظارہ دیکھ کے دارالعلوم دیوبند کا
میرے آباءِ روحانی کی دل میں یاد آئی ہے

نکالا جس نے تاریکی سے سوتے نور عالم کو
وہی مکتب ہے پیشِ من اسی کی شاں نرالی ہے

اسی بحرِ معارف نے بہائیں دودھ کی نہریں
کیا سیراب عالم کو پیاس علمی بجھائی ہے

تیرا احساں نہ بھولوں گا میرے محسن میرے آقا
ہوا منظور نظر تو عجب عزت بڑھائی ہے